سلسلۂ تالیفات فاروقی کتب خانہ فاروق گنج لاہور

# رسالۂ حرمت متعہ

جس میں از روئے نصوص صریحہ و احادیث صحیحہ عقل سے اور نقل سے
حرمت متعہ ثابت کی گئی ہے اور واضح کر دیا گیا ہے کہ متعہ ایک ایسا فعل ہے
کہ جس کو کوئی باغیرت اور دیندار انسان اپنے اور اپنی اولاد کے لئے
جائز قرار نہیں دے سکتا نیز ان تمام دلائل و براہین کا رد کیا گیا ہے
جو علمائے مخالفین جواز متعہ میں پیش کرتے ہیں

جس کو
مینیجر فاروقی کتب خانہ فاروق گنج بیرون شیرانوالہ دروازہ لاہور نے
خاص اہل سنت والجماعت کے استفادہ کیلئے

۱۳۵۵ ہجری میں

جیلانی پرنٹنگ پریس باہتمام حافظ محمد اسمعیل پرنٹر اینڈ مولوی حفیظ اللہ
صاحب قریشی پبلشر نے چھپوا کر شائع کیا

## وجہ تالیف کتاب

اس سے پہلے شیعہ صاحبان متعہ کے جواز میں کئی کتابیں لکھ چکے ہیں ۔ چنانچہ مولوی حایری صاحب کے والد بزرگوار کی "برہان المتعۃ" لاہور میں اور "تنبیہ المنذرین" دہلی وغیرہ میں شائع ہو چکی ہیں ۔ مگر چونکہ یہ کتابیں عام طور پر شیعوں تک ہی محدود تھیں اس لئے ہمیں اس مسئلہ پر قلم اٹھانے کی چنداں ضرورت محسوس نہ ہوتی تھی ۔ مگر چونکہ شیعیان لاہور نے حضرت صادق رضہ کے حکم کے خلاف تقیہ کو چھوڑ کر اپنے مذہب کو روشنی میں لانا شروع کر دیا ہے جس سے یقیناً وہ حضرت جعفر رضہ کے ارشاد مندرجہ اصول کافی کے مطابق کہ مَنْ اَذَاعَہٗ اَذَلَّہُ اللّٰہُ ذلیل ہونگے چنانچہ لاہوری اامیوں کے ایک شیعہ واعظ مولوی محسن علی شاہ صاحب سبزواری نے ایک رسالہ مسمّٰی بہ "عجالۂ نافعہ" لکھا ہے جو چھاپ کر اہل سنت والجماعت میں مفت تقسیم کیا گیا ہے اس میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ کے خلاف بہت کچھ زہر اگلا ہے ہمیں بتایا گیا ہے کہ مولوی سبزواری صاحب ایک غیر متعصب شیعہ ہیں ۔ اور وہ مولوی حائری وغیرہ کی طرح بزرگان دین پر جلے دل کے پھپھولے نہیں پھوڑا کرتے ۔ مگر عجالہ نافعہ نے ثابت کر دیا کہ یہ ایرانی گروہ تمام کا تمام علی ملۃ واحدہ کا حکم رکھتا ہے ۔ اس کا ہر چھوٹا بڑا جاہل عالم بزرگان دین کی بے ادبی کرنے میں یکساں سرگرم کار ہے ۔ سبزواری مولوی صاحب



اپنے آپ کو غیر متعصب بیان کر کے اصطلاح مینڈنگ وغیرہ کے بیخبر اشخاص کو در پردہ شیعیت کی تعلیم اور کتنے عرصہ تک دے سکتے تھے ۔ آخر ایک دن شان سبزواری اپنے اصلی رنگ میں ظاہر ہونی تھی چنانچہ وہ ہو کر رہی ۔ اور "نافعہ عجالہ" نے انکی اصلی صورت کو نمایاں کر ہی دیا ۔

ناظرین حیران ہونگے کہ شان سبزواری سے کیا معنی ۔ لہذا ہم انکو زیادہ اشتباہ میں رکھنا نہیں چاہتے اور بتا دیتے ہیں کہ سبزوار ایران میں ایک شہر ہے جس کے بسنے والے سخت متعصب رافضی ہیں ۔ اسکی تصدیق مولانا رومی کی مثنوی معنوی سے ہوتی ہے چنانچہ مذکور ہے ۔ کہ محمد خوارزم شاہ نے صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو برا کہنے والوں کے شہر کا محاصرہ کر لیا ۔ رافضیوں نے اس وقت کیا کیا ۔ مولانا ہی کی زبان سے سن لو ۔ ؎

سجدہ آوردند پیشش کالاماں ۔۔۔ حلقہ ماں در گوش کن وا بخش جاں

یعنی لگے سجدے کرنے ۔ اور جان کی امان چاہتے ۔ خوارزم شاہ نے

گفت نرہانید از من جان خویش ۔۔۔ تا نیاریدم ابوبکر رضہ بہ پیش

بدرم تا لی بگو گشتت اے قوم دولیا ۔۔۔ نے خراج استانم و نے ہم فسوں

کہا تمہاری جان بخشی کی ایک ہی صورت ہو سکتی ہے کہ اپنے شہر میں سے ایک ابوبکر پیدا کر دو ۔ مجھے تمہارے خراج اور سجدوں کی ضرورت نہیں انہوں نے عرض کیا ۔ (کے بود بوبکر اندر سبزوار ۔ یا کلوخے خشک اندر جویبار) کہ جس طرح نہر میں ڈھیلا خشک نہیں رہ سکتا ۔ اسی طرح سبزوار میں ابوبکر رضہ کا ہونا ناممکن ہے ہم سے جتنا مال و زر چاہیں لے لیں ۔ لیکن ابوبکر کا مطالبہ نہ کریں ۔ یہ سنکر شاہ نے ؎

رو بتابید از زر و گفت اے مغاں ۔۔۔ تا نیاریدم ابوبکر رضہ ارمغاں

ہیچ سودے نیست کودک نیستم ۔۔۔ تا بزر و سیم از تاں خوش شدم

سیم و زر کی طرف سے منہ پھیر لیا ۔ اور کہا کہ میں اس کا بھوکا نہیں ہوں ۔ آتش پرستو جب تک ابوبکر رضہ کا تحفہ مجھے لا کر نہیں دو گے نجات نہیں پاؤ گے

الغرض یہ جواب سُنکر وہ ابوبکرؓ کی تلاش میں چار سو پھیل گئے۔ اور تین چار دن کے سفر کے بعد ایک گوہر مقصود حاصل ہو گیا۔ اس کو کندھے پر اٹھا کر خوارزم شاہ کے پاس لے آئے۔ اور ایک ابوبکرؓ کے نام کے تصدق میں سبزوار نے امان پائی

اگر ہمارے سبزواری مخاطب احسانمندی اور حق شناسی کا مادہ رکھتے ہوتے۔ تو "عجالہ نافعہ" میں حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے منہ آکر اس طرح منہ کی نہ کھاتے مگر وہ مجبور ہیں۔ کُلُّ شَیْءٍ یَرْجِعُ اِلیٰ اَصْلِہٖ ؕ

خیر یہ ایک جملہ معترضہ تھا۔ لیکن ہمیں اس وقت کتاب ہذا کی وجہ تالیف بتانا ہے۔ سو عرض ہے کہ اہل سنت میں مفت تقسیم کردہ "عجالہ نافعہ" میں سبزواری صاحب نے ایک باب باندھا ہے جس میں متعہ کو اسلامی مسئلہ ثابت کرنے کی ناپاک کوشش کی ہے۔ اسی طرح شیعوں کے علامہ حائری نے ۲۸ اکتوبر کو تکیہ سے باہر نکل کر متعہ کو قرآن سے ثابت شدہ مسئلہ بتایا۔ اور اس کا حرام کرنیوالا حضرت عمرؓ کو بتایا۔ اس لیے ہم نے یہ رسالہ بڑی عرق ریزی سے لکھ کر اس مسئلہ کا تار و پود الگ الگ کر کے بتلا دیا ہے۔ کہ متعہ کا اسلام سے کیا تعلق ہے۔ اور ایک باغیرت انسان کی فطرت کہاں تک اس حیا سوز مسئلہ کو قبول کر سکتی ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

مؤلف



# ابواب کتاب ہذا

تمہید کے علاوہ جس میں متعہ کے اصطلاحی معانی اور موازنۂ زنا و متعہ درج ہے۔ یہ رسالہ تین بابوں پر منقسم ہے:۔

**باب اوّل**۔ دلائل عقلیہ پر مشتمل ہے جسکو دو فصلوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

**فصل اوّل** میں ہمارے دلائل عقلیہ نسبت حرمت متعہ کا ذکر ہے۔

**فصل ثانی**۔ میں شیعوں کے دلائل عقلیہ نسبت حلت متعہ اور ان کے جوابات درج ہیں۔

**باب دوم** میں آیات قرآنی سے حرمت متعہ ثابت کی گئی ہے۔ اور جس قدر اعتراضات شیعوں کی طرف سے ان آیات کو موڑ توڑ کر کئے گئے ہیں ان کے مفصل جوابات دئے گئے ہیں۔

**باب سوم** میں احادیث شیعہ و سنی پر مکمل تبصرہ کیا گیا ہے۔ اس کی دو فصلیں ہیں۔

**فصل اوّل** میں احادیث اہل تشیع کا تذکرہ ہے۔ جس کو پھر آگے دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

**حصۂ اوّل** میں روایات "حرمت صریحہ" اور

**حصۂ دوم** میں روایات "حرمت استدلالیہ" درج ہیں اور

**فصل ثانی** میں صرف ان احادیث اہل سنت والجماعت کا بیان ہے۔ جنہیں شیعہ صاحبان حلت متعہ کے متعلق تصور کرتے ہیں۔ اور ان کی مفصل تشریح و توضیح۔

# تمہید

## متعہ کے لغوی و اصطلاحی معنی

الاستمتاع فی اللغة الانتفاع وکل من انتفع بہ فھو متاع ۔

متعہ کے لغوی معنے نفع و فائدہ کے ہیں ۔ اور شیعوں کی شرعی اصطلاح میں جب ایک مسلمان مرد کسی مسلمان عورت کو مقررہ وقت کے لئے اور مقررہ اجرت کے عوض مجامعت کی خاطر ٹھیکہ پر لے ۔ تو اس کے اس فعل کو متعہ کہتے ہیں ۔ انما ھی مستاجرۃ (ترجمہ) تحقیق ممتوعہ عورت ٹھیکہ کی چیز ہوتی ہے (کافی جلد ۲ کتاب اول ص ١٩١)

## موازنہ متعہ و زنا

متعہ اور زنا میں کل مراحل یکساں ہیں ۔ سوا اس کے کہ زنا میں صیغہ متعہ نہیں پڑھا جاتا ۔ اور متعہ میں یہ صیغہ اس طرح پڑھا جاتا ہے کہ عورت کہتی ہے ۔ متعتک نفسی (ترجمہ) میں نے اپنے نفس کو تیرے متعہ میں دیا ۔ اور مرد کہتا ہے ۔ قبلتک (ترجمہ) میں نے قبول کیا تجھ کو (جامع عباسی) ص ١٣٥) ۔

متعہ اور زنا میں امورات مشترک حسب ذیل ہیں :۔

(١) زنا اور متعہ دونوں صورتوں میں معاوضہ پیشگی دیا جاتا ہے ۔ فرق صرف اتنا ہے کہ زنا کی پیشگی کو خرچی اور متعہ کی پیشگی کو اجرت کہتے ہیں ۔ دونوں حالتوں میں معاوضہ کی ادائیگی پیشگی اس لئے قرار دی گئی ہے (تنبیہ المنکرین ص ٦٩) کیونکہ مابعد کا دعویٰ عدالت میں ممنوع السماعت ہے ۔ اس لئے کہ یہ معاوضہ معاہدہ ناجائز کا ہے ۔

(٢) زنا میں خرچی کا تعین نہیں ہے ۔ اور متعہ میں اجرت کا نہیں ۔ ایک مٹھی



گندم (کف من بر) یا ایک لقمہ طعام (کف من طعام کافی جلد ۲ کتاب اول ص ١٩١) سے لیکر لاتعداد رقم نقد ہو سکتا ہے ۔ دونوں صورتوں میں مرد کی حیثیت و حوصلہ پر اس کا انحصار ہے ۔

(٣) زنا کے لئے تعین وقت ضروری ہے ۔ اور متعہ بھی اس کے بغیر ناجائز ہے "اگر میعاد گھڑی گھنٹہ کی رو سے معین نہ ہوگی تو متعہ باطل ہے" (جامع عباسی ص ١٣٥) خواہ وقت ایک گھڑی گھنٹہ سے لے کر ایک ماہ یا ایک سال ہو ۔ مرد کی فرصت و حیثیت اس امر کا فیصلہ کر سکتی ہے ۔

(٤) زنا میں بھی تنہائی اور پوشیدگی ضروری ہے ۔ اور متعہ کے لئے بھی اشتہار و اعلان کی ضرورت نہیں (تہذیب الاحکام ۔ باب النکاح) لیس فی المتعۃ اشتہار والاعلان ۔

(٥) زنا چونکہ فعل غیر شرعی ہے ۔ اس لئے عورتوں کی قید شرعی طور پر عبث فعل ہے ۔ خواہ مرد ایک وقت میں دس عورتوں سے زنا کرے ۔ اسی طرح متعہ میں بھی اس قسم کا کوئی تعین نہیں ہے ۔ "تزوج منھن الفا فانھن مستاجرات" (ترجمہ) ہزار عورتوں سے متعہ کرو ۔ کیونکہ وہ ٹھیکہ کی چیز ہیں (کافی جلد ۲ کتاب اول ص ١٩١) اسی طرح استبصار کے باب "تجوز الجمع بین اکثر من اربعۃ فی المتعۃ" میں زرارہ سے روایت ہے "ما یحل من المتعۃ قال کم شئت" (ترجمہ) ممتوعہ کتنی حلال ہیں ۔ فرمایا جس قدر چاہو ۔

(٦) پیشہ ور زانیہ عورتیں بے حجاب ہوا کرتی ہیں ۔ اور ممتوعہ کے لئے بھی پردہ کی قید لگانی ناجائز ہے ۔ استبصار کتاب الحدود باب ما یحصن ۔

(٧) زنا بغرض رفع حاجت شہوانی ہوتا ہے نہ کہ بغرض بقائے نسل انسانی ۔ اور متعہ کی بھی غرض و غائت یہی ہوتی ہے (تنبیہ المنکرین ص ٦) بلکہ متعہ میں

منی کا اخراج اور اس کا پھینکنا مقصود ہوتا ہے خواہ مرد بوقت انزال منی عورت کے رحم سے باہر ہی گرادیوے (جامع عباسی ص۱۵۵)

(۸) زنا میں بھی جس وقت مرد چاہے ۔ بلا طلاق دیئے اپنے آپ کو عورت سے الگ کرسکتا ہے ۔ اور یہی حالت بعینہ متعہ میں بھی پائی جاتی ہے طلاق کی ضرورت یہاں بھی نہیں (جامع عباسی ص۱۳۵)

(۹) زنا میں بھی نہ توارث فی الاولاد ہے ۔ اور نہ فیما بین فریقین (یعنی نہ اولاد کو حق وراثت پہنچتا ہے ۔ نہ مرد عورت میں کسی کو) اور یہی عمل متعہ میں بھی جاری ہے کما قال لا ترثی ولا انت ۔ ونیز لیس بینہما میراث اشترطا ولم یشترطا

(۱۰) زنا میں بھی عورت کا نان ونفقہ مرد کے ذمہ نہیں ہوتا ۔ اور متعہ میں بھی یہ حالت یکساں ہے (جامع عباسی ص۱۳۵) طلاق کی صورت میں بھی تا انقضائے عدت مطلقہ کا نان ونفقہ مرد کے ذمہ ہوتا ہے مگر متعہ میں یہ بھی نہیں ہے ولا عدۃ لہا علیک (کافی جلد ۲ کتاب اول ص۱۹۳)

(۱۱) زنا میں بھی فریقین کی رضامندی کے علاوہ گواہ وکیل یا نکاح خواں کی ضرورت نہیں ہوتی ۔ اور متعہ میں بھی بعینہ یہی حالت ہے ۔ بلکہ روافض کے ہاں تو نکاح بھی ان لوازمات سے مستغنی ہوتا ہے ملاحظہ ہو باقر مجلسی کے رسالہ فقہ کا باب النکاح

(۱۲) بعض حالات کے اعتبار سے متعہ زنا سے بھی زیادہ شرمناک فعل ہے ۔ کیونکہ ولد الزنا تو علانیہ اپنی حرامی حیثیت کو قوم طوائف کی صورت میں تسلیم کرتے ہیں مگر ولد المتعہ اپنی حیثیت متاعی کو تسلیم کرنے سے ایسے عاری ہیں کہ ہندوستان اور ایران کی اتنے کروڑ شیعہ آبادی میں سے ایک بھی اپنے آپ کو متاعی کہنے کے لئے تیار نہیں ہے ۔ گو لاکھوں متاعی مومنوں کی اولاد ہونگے اور ہونے چاہئیں



# ثواب متعہ

باوجود اس امر کے متعہ بعینہ بمنزلہ زنا کے ہے ۔ مگر شیعہ صاحبان اس حیا سوز عقد کو اپنے لئے طرۂ افتخار اور اس عقیدہ مخرب اخلاق و تمدن کو موجب ثواب دارین سمجھتے ہیں ۔ ان کی کتب مقدسہ میں اس فعل شنیعہ کے اس قدر محاسن و ثواب درج ہیں ۔ کہ شائد ہی کسی اور کے ہوں ۔ ایک دفعہ متعہ کرنے سے درجہ امام حسینؓ اور دو بار کرنے سے درجہ امام حسنؓ اور تین بار کرنے سے درجہ حضرت علیؓ اور چار بار کرنے سے درجہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حاصل ہوتا ہے ۔ من تمتع مرۃ کان درجتہ کدرجۃ الحسین الخ (منہج الصادقین ص۳۵۶) اور ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑنے سے تمام گناہ انگلیوں کے پوروں سے نکل پڑتے ہیں ۔ اور غسل جنابت کے پانی کے ایک ایک قطرہ سے اللہ تعالیٰ فرشتے پیدا کرتا ہے ۔ جو اس کے لئے تسبیح و تقدیس کرتے ہیں ۔ اور ثواب ان کا قیامت تک اس کو ملتا رہیگا ۔ (منہج الصادقین ص۳۵۶)

# باب اوّل

## فصل اوّل

### دلائل عقلیہ نسبت حرمت متعہ

### دلیل نمبر ۱ ۔ متعہ کی غرض محض قضاء شہوت ہے

انسان تو خیر انسان ہی ہے ۔ طیور اور وحوش میں بھی وطی کرنے سے اصل مقصود توالد و تناسل ہے ۔ نہ فقط قضائے شہوت چنانچہ پروردگار عالم نے قدرت کے

اس فطری اصول کو جہاں تک کہ اس کا تعلق محض انسان کی ذات سے وابستہ ہے بدیں الفاظ اپنے کلام پاک میں ارشاد فرمایا ہے۔ نِسَآؤُکُمْ حَرْثٌ لَّکُمْ (ترجمہ) تمہاری عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں، یعنی جس طرح تم اپنی کھیتیاں محض اس لئے کاشت کرتے ہو۔ کہ اُن سے غلہ پیدا کرو۔ اسی طرح اپنی عورتوں سے مقاربت کرو۔ محض اس غرض سے کہ ان سے اولاد پیدا کرو۔ جب احمق سے احمق انسان بھی اپنی کھیتی میں محض تفریح طبع یا ورزش جسمانی کی خاطر کلبہ رانی نہیں کرتا۔ تو کس طرح ممکن ہو سکتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے مردوں کو محض تفنن طبع یا مشق شہوت رانی کے لئے عورتوں سے مجامعت کی اجازت عام دے رکھی ہو۔ پس ثابت ہوا کہ جو شخص عورتوں سے وطی محض قضائے شہوت کیلئے کرتا ہے۔ اور متعہ کی غرض و غایت یہی ہے۔ (ملاحظہ ہو تنبیہ المنکرین صفحہ) چنانچہ مرد کو اجازت دی گئی ہے۔ کہ وہ بوقت انزال منی عورت کے رحم سے باہر گرادے" (ملاحظہ ہو جامع عباسی صفحہ ۵۵) کیونکہ جس غرض کے لئے اس نے متعہ کیا تھا وہ تو اسے انزال سے حاصل ہو جاتی ہے۔ لہذا اس کے لئے دونوں باتیں برابر ہیں۔ خواہ منی عورت کے رحم کے اندر گرادے یا باہر۔ وہ مقصود بالعرض کو مقصود بالذات بنا دیتا ہے۔ جو خبث محض ہے۔ چنانچہ اس بنا پر دخول فی الدبر تمام فرقہائے اسلامی میں قطعاً حرام ہے کہ اس میں قضائے شہوت کے سوا توالد و تناسل کسی طرح حاصل نہیں ہوتا۔ مگر مجوزین متعہ اس خلاف فطرت فعل کو بھی جائز سمجھتے ہیں۔[1] ملاحظہ ہو استبصار جز ۲ باب اتیان النساء فیما ...

[1] جامع جعفری میں اس لئے دخول کا جواز ثابت کرنے کے لئے امام مالک کو بھی اس کا قائل قرار دیا ہے۔ جو صریح بہتان ہے۔ چنانچہ تفسیر فتح البیان میں اس روایت کے متعلق صاف مذکور ہے کہ فی اسانیدہا ضعف (عن فتح البیان) بلکہ خود امام مالک رح موطا میں باب حد اللواطہ میں ابن شہاب سے مروی ہے۔ کہ لوطی کے واسطے رجم یعنی سنگسار کرنا چاہیئے محصن ہو یا غیر محصن۔ اس کی شرح عربی میں شاہ ولی اللہ نے لکھا ہے۔ کہ مذہب امام مالک کا یہی ہے۔ کہ لوطی کے لئے رجم ہے بیاہا ہو یا کنوارا۔ اور میزان شعرانی وشیخ شرح مشکوٰۃ وغیرہا میں ایسا ہی لکھا ہے اور نیز موطا امام مالک رح کی کتاب النکاح میں ہے۔ باب محو ما الاتیان فی الدبر و یحل فی قبلها من دبرها قال اللہ تعالیٰ نِسَآؤُکُمْ حَرْثٌ لَّکُمْ فَاْتُوْا حَرْثَکُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ اور اس کی

بقیہ حاشیہ بر صفحہ ۱۱



دون الفرج صفحہ ۱۳۰ مطبع جعفری لکھنو نیز ایک اور روایت ہیچو قسم فروع کافی جز ۲ صفحہ ۲۳۲ مطبع نولکشور پر بدین الفاظ درج ہے قلت الرجل یاتی امرأة فی دبرها قال ذلک له قلت فانت تفعل قال انا لا نفعل ذلک (ترجمہ) میں نے کہا کہ ایک آدمی اپنی عورت کی ...... میں کرتا ہے۔ تو آپ نے کہا کہ اس کو جائز ہے۔ میں نے کہا کیا آپ بھی کرتے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا۔ نہیں میں نہیں کرتا۔[2]

## دلیل نمبر ۲۔ متعہ شریفانہ معاشرت و تمدن کا خانہ برانداز ہے

انسان فطرتاً آزاد واقع ہوا ہے۔ اس لئے جب کبھی کوئی مرسل مذہب کے قیودی احکامات لیکر دنیا میں مبعوث ہوا ہے۔ تو ہمیشہ انسان نے اس کی مخالفت کی ہے۔ اور مرسلان الٰہی کی نسلاً بعد نسلاً تلقین سے اگر سلسلہ حقہ میں کبھی آبھی گیا ہے۔ تو پھر اپنی طبعی شہوات کی عنان گسیختہ آزادیوں سے مجبور ہو کر سابقہ وحشیانہ فسق و فجور کی طرف عود کرتا رہا ہے۔ تاریخ اس کی شاہد اور قرآن کریم اس کا گواہ ہے۔ ابو البشر ع سے لیکر خیر البشر ع تک ہزاروں قسم کے عذاب انسان پر نازل ہوئے۔ مگر وہ اپنی بہیمی خصلت کو معدوم نہ کر سکا۔ اور وقتاً فوقتاً اس کے مہیب مناظر صفحہ عالم پر نقش ہوتے رہے اور مٹتے رہے۔ پس جب باوجود پیغمبروں کی تہدید اور خدائے قہار کے عذاب ہائے شدید کے سرکش انسان کی یہ حالت زبون رہی ہو، تو جس صورت میں ازروئے مذہب ہی اس کو ایک طرف تو شہوت رانی کا لائسنس بدیں الفاظ ملا ہو۔ تزوج منهن الفاً فانهن مستاجرات یعنی ہزار عورت سے متعہ کرو۔ کیونکہ وہ ٹھیکہ کی چیز ہیں

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰ شرح عربی کی بات ہے۔ کہ باتفاق اہل علم عورت سے لواطت حرام ہے۔ پس شیعوں کا اپنے فعل خلاف فطری کو جائز ثابت کرنے کے لئے امام مالک رح کو متہم کرنا بہت بڑی جہالت ہے (نصرت الابرار مولوی غلام دستگیر صاحب قصوری صفحہ ۲۵)

[2] امام کا یہ قول ع ہر چہ بخود نہ پسندی بدیگراں مپسند کے بالکل مخالف ہے۔ غالباً آپ نے اپنے متعلق تقیہ سے کام لیا۔

ہیں کافی ج۲ ص۱۹۱) اور دوسری طرف ثواب دارین کی یہ سند عطا ہوئی ہو کہ "من تمتع مرۃ واحدۃ عتق ثلثہ من النار الخ یعنی جس نے ایک بار متعہ کیا۔ تیسرا حصہ اس کے جسم کا آتش دوزخ سے آزاد ہوا (منہج الصادقین) تو انسان کو کیا غرض کہ خواہ مخواہ منکوحات کی قید میں پڑ کر کہیں تو عورت کے نان و نفقہ کی ذمہ داری اپنے سر لے۔ اور کہیں بال بچوں کی تعلیم و پرورش کا بار گراں اپنے کندھوں پر اٹھائے۔ لہذا تدبیر منزل تو رخصت ہوئی اور اس کے ساتھ ہی سیاست مدن بھی گئی۔ کیونکہ مقدم الذکر در اصل مؤخر الذکر کے اجزائے ترکیبی ہیں۔ پس ابتدائے آفرینش میں جو وحشیانہ حالت انسان کی تھی وہی پھر قائم ہو جائیگی۔ چنانچہ ایسی زندگی کے آثار اب تک افریقہ کی مردم خور وحشی اقوام میں پائے جاتے ہیں ⁂

## دلیل نمبر ۳۔ متعہ سے ہر جگہ "میں تیرا تو میری" کا جلوہ نظر آئیگا۔

جب اس امر سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ "کل جدید لذیذ" تو مرد کمبخت کو کیا ضرورت پڑی ہے کہ خواہ مخواہ بقید عدل صرف ایک ہی پرانی بوسیدہ ڈفلی کو بجاتا رہے۔ اور ہر شب نئے سے نئے ساز طرب کے مزے نہ لوٹے۔ پھر یہ بھی امر واقع ہے۔ کہ جب ایک دفعہ مرد "قلیل الزحمت کثیر اللذت" اصول پر کاربند ہو جائینگے۔ تو اس شیر کی طرح جسے جب ایک دفعہ خون آشامی کا چسکہ پڑ جائے۔ تو وہ جنگل میں کسی حیوان کو گزند پہنچائے بغیر نہیں چھوڑ سکتا۔ یہ بھی کسی عورت کو اس کی عصمت دری کئے بغیر نہیں چھوڑینگے۔ سوسائٹی میں "میری" اور "تیری" کی قید اٹھ جائیگی۔ ہر تلوار کا حق ہوگا۔ کہ وہ جس نیام میں چاہے گھسے۔ اور ہر شمشیر زن جسے چاہیگا۔ اس پر وار کرے گا۔ نتیجہ ظاہر ہے۔ چنانچہ انہیں مناظر تباہی کو مد نظر رکھتے ہوئے جناب ابوالحسن رضا نے "لا تلحوا علے المتعۃ الخ" والی حدیث ارشاد فرمائی تھی جو کافی ج۲ ص۱۹۲ میں درج ہے





ملاحظہ ہو۔ روایت نمبر ۲ زیر عنوان روایات حرمت استدلالیہ"

## دلیل نمبر ۴ متعہ سے بستے گھر اجڑ جائیں گے

جب ایک دفعہ مردوں نے اپنا نصب العین "قلیل الزحمت کثیر اللذت" اصول بنا لیا۔ تو عورتوں کا سر پھرا ہے۔ جو وہ خواہ مخواہ حمل کی تکلیف بچوں کی پرورش کی زحمت اور انتظام خانہ داری کی دردسری محض مردوں کی خاطر برداشت کریں گی۔ کیونکہ دنیا بھر کے قوانین اس بات پر متفق ہیں کہ بچوں کا حقیقی مالک آخرکار باپ ہی ہوتا ہے۔ اور ماں بیچاری تو بمنزلہ دایہ ہی کے ہوتی ہے۔ کیا عورتوں کا جی نہ چاہیگا کہ بڑھے کھوسٹ خاوندں کی خدمت کرنے اور ان کے شتر غمزے اٹھانے کی بجائے وہ بھی ہر شب نئے ناز برداروں کے پہلو میں مزے اڑائیں۔ جب اس طرح عورتوں کو بھی نئے لذائذ کی چاشنی کا چسکا پڑ گیا۔ تو وہ قدرتی موانعات لذت آفرینی (یعنی قابلیت بچہ کشی وغیرہ) کو ادویات سے زایل کر کے سدا نوبہار دلہن کی طرح رہا کرینگی اور بازاری عورتوں کی طرح اپنی عصمت فروشی کیا کرینگی۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ ہر عورت رنڈی اور ہر بستی چکلہ ہوگی۔

## دلیل نمبر ۵ شجر متعہ بالکل بے برگ و بار ہے

ہر علت کا معلول اور ہر سبب کا نتیجہ ہوا کرتا ہے۔ اگر نہیں ہے تو وطی المتعہ کا نتیجہ کہیں چلتا پھرتا نظر نہیں آتا۔ زنا سے مکروہ اور حقیر فعل تک کے بیسیوں نتائج ہندوستان کے ہر چھوٹے سے چھوٹے قصبے اور بڑے سے بڑے شہر میں "قوم طوائف" کے لباس میں ہر کہ ومہ کی نظروں میں کھٹکتے ہیں۔ مگر تمام سرزمین ہند کی "روزافزوں شیعہ آبادی" ایک بھی ولد المتعہ پیش نہیں کر سکتی۔

ولد الزنا تو کوٹھوں کی چھتوں پر اپنے وجود نامسعود کی نمائش کریں مگر ولد المتعہ خدا جانے کس قعر گمنامی میں روپوش ہیں کہ فرشتوں تک کی نظروں سے اوجھل ہیں۔ گویا انہیں متعہ کے اصل لباس میں پیش ہوتے ہوئے شرم مانع ہے۔ نہ تو متاعی مائیں ہی علی روس الاشہاد متعہ کا اقبال کرنے کو تیار ہیں اور نہ اولاد المتعہ ہی اپنے پیدا کرنیوالوں کی "محنت شاقہ" کی شکر گذاری کے ساتھ داد دینے کی جرأت کر سکتے ہیں اس لئے متعہ شرعی فعل نہیں ہو سکتا۔ ورنہ شیعوں کی "روز افزوں مردم شماری" کے جدول ساز ایک شریف النسل متوعہ اور ایک ولد المتعہ کو تو پیش کریں۔

## دلیل نمبر ۶۔ متعہ کا جائز استعمال بھی برائیوں کا سرچشمہ ہے

ہر اخلاقی اصول کے صحیح یا غیر صحیح ہونے کا معیار اس کے جائز استعمال کے نتائج حسنہ نہیں بلکہ اس کے ناجائز استعمال کے نتائج قبیحہ ہوا کرتے ہیں مثلاً اگر کسی اصول کے جائز استعمال سے اس قدر اچھے نتائج مترتب نہ ہوتے ہوں جس قدر کہ اس کی بداستعمالی سے خرابیاں پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔ تو وہ اصول ناقص ہے اور مخرب اخلاق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر مصلح قومی نے اس قسم کے اصول قائم کرنے سے گریز کیا ہے جن کا ناجائز استعمال انکے جائز استعمال کی نسبت زیادہ خطرناک ہے۔ نماز اگر انسان محض ریاکاری ہی کی وجہ سے پڑھے یا روزہ محض نمائش تقویٰ ہی کی غرض سے رکھے۔ پھر بھی مقدم الذکر صورت میں طہارت و پابندی وقت کے فوائد عظیمہ سے تو مستفیض ہوگا۔ اور مؤخر الذکر حالات میں اگر عند اللہ ثواب حاصل نہ ہوگا۔ تو صحت جسمانی کے فوائد سے تو ضرور بہرہ اندوز ہوگا۔ چنانچہ اسی اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے شرع اسلام میں شراب خواری اور قمار بازی حرام قرار دی گئی ہیں۔ کیونکہ انہیں حد اعتدال سے استعمال کرنے میں اس قدر فوائد نہیں ہیں جس قدر انہیں بے اعتدالی سے استعمال کرنے میں نقصانات



ہیں۔ اللہ پاک نے بھی ان خبائث کے متعلق اسی خیال کا اظہار فرمایا ہے۔ جہاں آپ قرآن کریم میں فرماتے ہیں "اثمہما اکبر من نفعہما" وعلی ہذا القیاس ہر ایک مذہبی اور معاشرتی حکم کو اس معیار پر پرکھتے جائیں نتیجہ وہی مترتب ہوگا جو ہم نے عرض کیا ہے لیکن اس کے برعکس متعہ جس کا جائز استعمال بھی مترادف زنا کے ہے۔ اس کی بداعمالی کے نتائج تصور کرنے سے انسانی قوت متخیلہ عاجز ہے +

## دلیل نمبر ۷۔ متعہ کو رواج دینے سے حرامکاری نہیں رک سکتی

فطرت انسانی کے رئیس المبصرین حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ ہیں چنانچہ انہوں نے انسان کی نہ سیر ہونیوالی حرص کے دریا کو کوزے میں اس طرح بند کیا ہے۔ شعر

چشم تنگ آز دنیادار را　　یا قناعت پر کند یا خاک گور

دنیا اس امر کی شاہد ہے کہ انسان جس قدر اپنی ہوا و حرص کو وسعت دیتا جائے اور اس کی وسعت کے مطابق اس کی سیری کے گوناگوں سامان مہیا کرتا جائے اسی قدر بہ اشتہا "ھل من مزید" پکارتی چلی جاتی ہے۔ اس لئے مصلحان قوم نے اپنے مشاہدات کے مطالعہ سے اور مرسلان الہی نے وہبی علم کے یمن و برکت سے انسانی شہوات کی لامحدودی کو معلوم کر کے ان کو انسان کے قبضہ اختیار میں متقید کرنے کے لئے بقول شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ "قناعت" کے اصولوں کی پابندی تجویز کی۔ نہ کہ شتر بے مہارانہ آزادی کی مہمل پیرائی مقرر فرمائی۔ مشاہدات عالم کو عقل کے ترازو کے ایک پلڑے میں اور جناب امیر کی طرف منسوب کی ہوئی روایت لولا نہی عمر عن المتعۃ ما زنی الا شقی (یعنی اگر حضرت عمر رضی متعہ سے منع نہ کرتے تو شقی کے سوا کوئی زنا نہ کرتا) کو دوسرے پلڑے میں رکھ کر موازنہ کیجئے کہ انسان کی شہوت کیسی قیود عائد کرنے سے قابو میں رہ سکتی ہے یا اسے آزادی دینے سے۔

فدایان متعہ کو گو علاوہ چار منکوحات کے لاتعداد ممتوعات رکھنے کی اجازت ہے۔ اور

اور پھر ان کے آگے پیچھے میں کوئی تمیز بھی نہیں ہے۔ مگر کیا وہ ایمانداری سے کہہ سکتے ہیں۔ کہ ان میں بچہ بازی یا مشت زنی اسی طرح مروج نہیں جس طرح دیگر اقوام میں ہے؟

## دلیل نمبر ۸ متعہ سے جو اولاد پیدا ہوگی وہ کس کی کہلائیگی؟

آدمی نکاح کرکے بیوی کو گھر میں آباد کرتا ہے۔ پردہ میں رکھتا ہے۔ اس کے نان و نفقہ کا ذمہ وار بنتا ہے۔ اس سے پیدا شدہ اولاد کا باپ کہلاتا ہے مرجاتا ہے تو بیوہ اور اولاد اس کی وارث اور اس کی بقائے نسل کا ذریعہ بنتی ہے مگر آہ متعہ میں یہ سب باتیں مفقود ہیں۔ اگر متعہ کو رواج دیا جائے تو ایک عالم اس شعر کا مصداق بنیگا۔

بندہ نفس شدی ترک نسب کن متعی　　کہ دریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

# فصل ثانی

## شیعی دلائل عقلیہ نسبت اباحت متعہ مع جوابات

مجتہدین شیعہ نے جو دلائل عقلیہ نسبت اباحت متعہ پیش کی ہیں۔ انہیں ہم مع جوابات درج ذیل کرتے ہیں:۔

**دلیل نمبر ۱**۔ جس چیز سے زمانہ حال یا مستقبل میں فاعل کے لئے ضرر متصور نہ ہو وہ بضرورت عقل مباح ہے۔ چونکہ متعہ کی بھی یہی صفت ہے۔ اس لئے متعہ مباح ہے (برہان المتعہ)

**جواب**۔ اگر اس دلیل کا صغریٰ و کبریٰ درست ہے۔ تو ربا بھی مباح ہونا چاہیئے کیونکہ ربا میں کسی قسم کا ضرر متصور نہیں ہے۔ علی ہذا القیاس۔ نبیذ پینے میں کیا ضرر ہے جیسکے لئے شیعہ صاحبان جناب فاروق اعظم رضؓ کو (نعاکم بدہن) شراب خور کہتے ہیں



حالانکہ علاوہ مباحث عقلیہ کے نبیذ کو آئمہ کرام رضؓ نے حلال قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو کافی ۲ کتاب الثانی ص ۱۸۳/۱۸۴ اور "فسئلہ عن النبیذ فقال حلال" یعنی ابی عبداللہ سے نبیذ کی نسبت پوچھا تو انہوں نے فرمایا۔ کہ وہ حلال ہے

**دلیل نمبر ۲**۔ ایجاد ذکور و اناث میں حکمت و علت غائی بظاہر ازدواج و تناسل ہے لیکن انسان چونکہ اشرف موجودات و مکلف ہے۔ اس لئے راہ ازدواج و طریقہ تناسل مقرر کیا گیا ہے۔ اور وہ تین قسم کا ہے۔ عقد دائم۔ عقد منقطع۔ اور ملک یمین کیونکہ انسان بالضرورت ایک درجہ پر نہیں ہے۔ بعض امیر بعض غریب اور بعض فقیر اور علاوہ ازیں گاہے انسان سفر میں ہوتا ہے اور گاہے حضر میں۔ اگر اللہ پاک نے ہر درجہ اور ہر حالت کے لئے سہولت مہیا نہ کی ہو۔ تو غرض الٰہی باطل ہوتی ہے۔

**جواب** انسان کی مالی حیثیت کسی طرح بھی مانع نکاح نہیں ہے امیروں کے لئے امیر غریبوں کے لئے غریب اور فقیروں کے لئے فقیر مرد و زن فضائے عالم میں بکثرت موجود ہیں۔ رہی یہ حالت کہ انسان بعض اوقات سفر میں ہوتا ہے۔ اس لئے بتقاضائے بشریت اُسے وہاں مجامعت کی ضرورت لاحق ہو سکتی ہے۔ ایسا انسان اپنی منکوحہ کو ہمراہ لیجا سکتا ہے۔ اگر یہ ممکن نہ ہو تو سفر میں حسب حیثیت منکوحہ یا لونڈی حاصل کر سکتا ہے۔ اور اگر بوجہ غربت یہ بھی ممکن نہیں۔ تو ایسے انسان کو چاہیئے۔ کہ اپنے آپ کو قابو میں رکھے۔ آخر انسان ہے حیوان تو نہیں چنانچہ اللہ پاک بھی ایسے مفلوک الحال لوگوں کے لئے ارشاد فرماتا ہے۔ "ولیستعفف الذین لا یجدون نکاحا حتے یغنیہم اللہ من فضلہ" یعنی جو لوگ نکاح کا مقدور نہیں رکھتے ان کو چاہیئے کہ ضبط کریں یہانتک کہ اللہ ان کو اپنے فضل سے غنی کردیوے۔ اور اگر وہ اس قدر ہی مغلوب الشہوت ہے۔ کہ انضباط اس کے لئے ناممکن ہو۔ تو اسے سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ بیمار ہے۔ اپنی بیماری کا طبی معالجہ کرائے۔ فرض کیجئے۔ ایک

شخص جو نہایت ہی مفلوک الحال ہے۔ اسے جوع البقر کا عارضہ لاحق ہو گیا ہے۔ اور وہ اپنی کمائی سے اپنا پیٹ نہیں پال سکتا۔ تو کیا ایسے انسان کے لئے سرقہ بالضرورت جائز ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کافۃ الناس کے لئے بحالت عموم قانون وضع کیا ہے اور نادر الوجود مثالیں خارج از بحث ہوا کرتی ہیں ٭

**دلیل نمبر ۳ و ۴** دلائل سوئم و چہارم میں دلیل دُوم کا اعادہ ہی کیا گیا ہے۔ اس لئے ان کو اس جگہ درج نہیں کیا گیا۔

**دلیل نمبر ۵** ۔ جس طرح خداوند کریم نے اگلی امتوں کی آزمائشیں کی تھیں۔ چنانچہ حضرت طالوت کی امت کو حکم دیا تھا۔ کہ وہ نہر سے گزرتے وقت ایک اوک سے زیادہ پانی نہ پئیں۔ اسی طرح متعہ سے امت محمدی کا امتحان منظور ہے (برہان المتعہ)

**جواب** امتحان میں ہمیشہ انسان کی آزادی پر قیود عائد کر کے دیکھا جاتا ہے۔ کہ وہ اہل ہے یا نا اہل۔ کثرت کو حرام قرار دیکر قلت پر قناعت کا حکم دیا جاتا ہے۔ جیسا کہ طالوت کی قوم کی مثال سے ظاہر ہے۔ کہ بھرے دریا میں سے صرف ایک چلو پانی پینے کی اجازت دی گئی تھی۔ مگر امتحانِ متعہ ایک عجیب امتحان ہے۔ کہ جس قدر زیادہ عورات سے شہوت رانی کی جائے۔ اسی قدر زیادہ ثواب اور اسی قدر امتحان میں زیادہ کامیاب اگر فی الواقعہ یہ امتحان ہے۔ تو یہ ایمان کا امتحان نہیں۔ بلکہ قوت باہ کا امتحان ہے۔ شائد (بقول علمائے متعہ) اللہ پاک کو انسان کی بعثت ثانیہ میں گھوڑوں کی بجائے انسانوں کے سٹیڈ بنانے منظور ہونگے۔ اور ان کے لئے سرکاری سانڈ اسی دنیا میں منتخب کرنا چاہتا ہے ٭



# بابِ دُوم (۱۰)

(قال اللہ)

## اثباتِ حرمت متعہ بآیات قرآنیہ

اگر مسلمانوں کے درمیان کسی دینی یا دنیوی معاملہ میں تنازعہ ہو جائے تو بموجب ارشاد باریتعالیٰ فان تنازعتم فی شیٔ فردوہ الی اللہ ورسولہ قال اللہ قال الرسول کی طرف رجوع کرنے کا حکم ہے۔ اور یہی قاضی النزاع ہمیشہ سے سمجھے چلے آتے ہیں اور اب تک ہیں چنانچہ قال اللہ و قال الرسول کو ہم دو بابوں میں تقسیم کر کے ان پر علیحدہ علیحدہ بحث کرینگے

جمہور اسلام کا اس بات پر اتفاق ہے۔ کہ کتاب اللہ برخلاف دیگر کتب آسمانی قیامت تک تحریف سے مبرا و منزہ رہیگی۔ کیونکہ خداوند عزوجل نے خود اسکی نگاہبانی اپنے ذمے لے رکھی ہے۔ ملاحظہ ہو۔ قولہ تعالیٰ "وانا لہ لحافظون" (ترجمہ) ہم اس کے محافظ ہیں۔ اس کے برعکس کل اہل تشیع کا یہ اعتقاد ہے۔ کہ کتاب اللہ درجہ اعتبار سے ساقط ہے اور مثل توریت و انجیل قابل تمسک نہیں کیونکہ اس میں کثرت سے تحریف ہو چکی ہے۔ اور بلشمار احکام منسوخ اور متعدد آیتیں اور سورتیں کہ ناسخ احکام و مخصص عمومات تھیں سرقہ ہو چکی ہیں۔ اور جو موجود ہے۔ اس میں بعض الفاظ تبدیل شدہ بعض زائد اور بعض ناقص ہیں۔ چنانچہ شیعوں کی معتبر کتب میں اس الزام کی سندات بکثرت موجود ہیں عن ہشام بن سالم عن ابی عبد اللہ القرآن الذی جاء بہ جبریل الی محمد سبعۃ عشر الف آیۃ الخ (ترجمہ) روایت کی ہشام بن سالم نے امام جعفر صادقؑ سے کہ قرآن جو جبرائیل محمد صلعم کے پاس لایا تھا۔ اس میں سترہ ہزار

آیات تھیں (اصول کافی فصل القرآن صـ٦٧) حالانکہ موجودہ قرآنِ مجید میں صرف چھ ہزار چھ سو چھیاسٹھ آیات ہیں۔ یہی نہیں کہ اس کتاب اللہ میں سرقہ وغیرہ کے ہی قائل ہیں۔ بلکہ اسے اصل قرآن منزل من اللہ ہی نہیں سمجھتے۔ چنانچہ ان کا عقیدہ ہے۔ کہ جب امیر علیہ السلام کے قرآن کو خلفاء نے رد کر دیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ خدا کی قسم پھر اس کو تم ہمیشہ تک ہرگز نہ دیکھو گے (اصول کافی فصل القرآن صـ٦٧) چنانچہ یہی مضمون ایک اور کتاب میں اس طرح درج ہے "جب جناب امیر علیہ السلام فاطمہ کو دراز گوش پر سوار کر کے ایک ایک اصحابی کے گھر پر امداد طلب کر کے مایوس ہو چکے تو گھر میں جا کر بیٹھ رہے۔ اور قرآن جمع کرنے میں مشغول ہوئے تا اینکہ جمع کرنے سے فارغ ہوئے۔ اور ایک روز اس قرآن کو رومال میں لپیٹ کر اور ہمراہ لے کر کے مسجد میں لائے۔ اس وقت ابوبکرؓ مع ایک جماعت اصحابہ کے مسجد میں حاضر تھے۔ حضرت امیر نے باواز بلند کہا ..... اور تم کو کتاب خدا کی دعوت نہیں کی۔ یہ سنکر حضرت عمرؓ نے کہا وہ قرآن کہ جو ہمارے پاس ہے ہم کو وہی کافی اور وافی ہے۔ اور تمہارے قرآن کی کوئی حاجت نہیں ہے حضرت نے فرمایا۔ کہ اس قرآن کو نہ دیکھو گے۔ تا اینکہ مہدی عـ میرے فرزندوں میں سے اُسے ظاہر کریگا (صولت حیدریہ صـ٨١ و ٨٢)

باوجود اس امر کے کہ اہل تشیع عقیدتاً قرآن کریم کو صحیفہ عثمانی سمجھتے ہیں۔ اور اسے نہ صرف محرف و مبدل ہی بلکہ غیر صحیح الترتیب اور نامکمل بھی خیال کرتے ہیں۔ لیکن چونکہ ابھی تک ان کے امام منتظر اپنی نہ ختم ہونیوالی مدت "غیبت کبریٰ" کو ختم کر کے "غار سر من رائے" کی افسانوی حقیقت کے طلسم کو توڑ کر اس دنیا میں ظاہر نہیں ہوئے۔ جو چالیس خالص شیعوں کے وجود سے عرصہ زائد از ایکہزار سال سے برابر خالی چلی آتی ہے۔ اور اپنے غیر خالص شیعوں کی روز افزوں تعداد کو "صحیفہ عثمانی" کی گمراہ کرنے والی روشنی میں بے یار و غمگسار چھوڑ کر خود ایک گمنام غار کو اپنے جد امجد کی مشعل ہدایت سے بقعۂ نور بنائے۔ موقعہ کی انتظار میں سمٹے سمٹائے بیٹھے ہیں۔ اس لئے اس غیر خالص جماعت شیعان "امام یکصد نام"



کا جبراً و قہراً موجودہ قرآن حمید پر عملاً تمسک ہے۔ لہذا مسئلہ زیر بحث کے تصفیہ کے لئے ہم اسی کتاب اللہ سے استفسار کرتے ہیں

## قواعد تفہیم کتاب اللہ

پیشتر اس کے کہ آیات قرآنی سے حرمت متعہ ثابت کی جائے۔ یہ امر از بس ضروری ہے۔ کہ قرآن کریم نے اپنی تفہیم کے جو اصول مقرر کئے ہیں ان کو ظاہر کر دیا جائے۔ تاکہ انہیں اصول کی رُو سے آیات قرآنی کے معانی کئے جائیں۔

(قاعدہ اول) قولہ تعالیٰ انا انزلنہ بلسانٍ عربی مبین (ترجمہ) ہم نے قرآن کریم کو معروف عربی زبان میں نازل کیا ہے یعنی قرآن شریف کے الفاظ بلحاظ لغت انہیں معنوں میں استعمال کئے گئے ہیں جن معنوں میں کہ یہ الفاظ بوقت نزول قرآن استعمال کئے جاتے تھے۔ یہ الفاظ قرآن و عربی زبان میں حقیقت و مجاز استعارہ و کنایہ تشبیہ و تمثیل وغیرہم کے اظہار میں یکساں طور پر استعمال ہوئے ہیں ورنہ لعلکم "تعقلون" بے معنی فقرہ ہے۔

(قاعدہ دوم) قولہ تعالیٰ ولو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافا کثیرا (ترجمہ) اور اگر یہ قرآن سوا اللہ کے کسی اور کی طرف سے ہوتا۔ تو اس میں بیشمار اختلاف ہوتے یعنی اللہ پاک کے کلام میں تناقض فی الاحکام نہیں ہو سکتا۔ اور اگر کہیں غلطاً تاویل بھی کی جائے۔ تو خود قرآن میں اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہوں پر اس کی مصلح آیات رکھدی ہوئی ہیں۔ جن کی مدد سے غلطی کا ازالہ اور رفع تناقض کیا جاتا ہے۔ اور یہی معنی "انا لہ لحافظون" کے ہیں۔ ورنہ حق تعالیٰ نے قرآن کی حفاظت کے واسطے مسلح فوج تو رکھی نہیں ہوئی۔ اگر حفاظ کے ذریعہ سے الفاظ کی حفاظت چلی آتی ہے تو معانی کی حفاظت کے لئے خود قرآن میں مصالح موجود نہ ہو۔ تو یہ لفظی حفاظت دراصل کچھ حفاظت نہیں۔ اور اللہ کے محافظ ہونے پر اسی طرح حرف آئیگا جس طرح تحریف بالالفاظ سے آسکتا ہے۔ کیونکہ معانی دونوں طرح سے زائل ہو جاتے ہیں۔ خواہ تحریف باللفظ ہو۔ یا تحریف بالمعنی۔ الغرض جہاں کہیں کسی آیت کے معانی میں اختلاف وارد ہو۔ تو لغات عربی اور دیگر آیات کی مدد سے اس اختلاف کی اصلاح کر دی جائے

**دلیل اول** - جب ہم قرآن سے مسئلہ زیر بحث کے متعلق استفسار کرتے ہیں۔ تو ہم دیکھتے ہیں کہ سب سے اوّل اللہ تعالیٰ نے نکاح کا حکم سورۂ نساء کے شروع میں بایں الفاظ صادر فرمایا ہے۔ "فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنیٰ وثلث وربع فان خفتم الا تعدلوا فواحدۃ او ما ملکت ایمانکم ذلک ادنیٰ الا تعولوا واٰتوا النساء صدقٰتھن نحلۃ" (ترجمہ) پس نکاح کرو جو عورتوں میں سے تمہیں پسند آئیں۔ دو دو۔ تین تین۔ چار چار پھر اگر تم کو اندیشہ ہو کہ ایک سے زیادہ بیبیاں نکاح کرنے کی صورت میں تم انصاف نہیں کر سکو گے تو بس ایک ہی عورت سے نکاح کرنا۔ یا جو لونڈی تمہارے قبضہ میں ہو۔ اسی پر قناعت کرنا۔ ناانصافی سے بچنے کے لئے یہ تدبیر زیادہ ترقرین مصلحت ہے۔ اور عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے دے ڈالو۔ یہ آیت پڑھ کر ذیل کے سوالات قدرتاً دل میں پیدا ہوتے ہیں*

(۱) کیا دنیا بھر میں جو آزاد عورتیں ہیں۔ خواہ وہ ہماری رشتہ دار ہیں یا غیر رشتہ دار ان سب میں سے بلا انتیاز ہمیں نکاح کیلئے انتخاب کا حق حاصل ہے یا انہیں سے بعض ہمارے حدود انتخاب سے خارج بھی ہیں؟"

(۲) مہر دینا کب لازم آتا ہے اور کس قدر؟

سوال نمبر (۱) کی نسبت حق تعالیٰ از قبیل تخصیص بعد تعمیم صریح آیات کے ذریعہ اُن عورتوں کا ذکر تفصیلاً کر دیتا ہے۔ جس سے ہم نکاح نہیں کر سکتے۔ قولہ تعالیٰ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ ...... وَأُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَاءَ ذَٰلِكُمْ أَنْ تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُمْ مُحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَافِحِينَ (ترجمہ) حرام کر دی ہیں اللہ تعالیٰ نے تمہاری مائیں۔ تمہاری بیٹیاں ...... وغیرہم اور ان حرام شدہ عورتوں کے علاوہ سب عورتیں تم پر واسطے نکاح کے حلال ہیں۔ بشرطیکہ ان کو مال خرچ کر کے حاصل کرو۔ اور احصان کرنیوالے ہو نہ کہ اسفاح کرنیوالے یعنی قید نکاح میں لانے کے لئے تم پر حلال ہیں نہ کہ اس لئے کہ تم محض اُن سے شہوت رانی کرو۔ پس سوال اول کا جواب یہ ہے کہ ان حرام شدہ عورتوں کے علاوہ زمانہ بھر کی آزاد عورتیں ہم پر حلال ہیں۔ اور ہم ان سے شرعی طور پر نکاح کر سکتے ہیں*



سوال نمبر (۲) کا جواب بھی از قبیل تخصیص بعد التعمیم سورۂ نساء اور سورۂ بقر میں علی الترتیب اس طرح دیتا ہے۔ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً (ترجمہ) پس جب تم (اپنی منکوحات سے) فائدہ اٹھالو یعنی مقاربت حاصل کرلو۔ تو ان کو ان کے مقرر کردہ مہر پورے کے پورے ادا کردو۔ ونیز قولہ وان طلقتموھن من قبل ان تمسوھن وقد فرضتم لھن فریضۃ فنصف ما فرضتم (ترجمہ) اور اگر منکوحہ عورتوں کو ان سے مقاربت کئے بغیر طلاق دیدو تو ان کا مہر جو مقرر ہو چکا ہے اس سے نصف ان کو ادا کردو۔ لیکن اگر صورت ایسی ہے کہ کوئی مہر مابین فریقین مقرر نہیں ہوا تھا۔ تو مطابق حکم علی الموسع قدرہ مرد اپنی حیثیت کے موافق کچھ دیدے۔

مذکورہ بالا دونوں سوالوں اور ان کے جوابوں کو مدنظر رکھتے ہوئے حاصل کلام یہ ہوتا ہے۔ کہ لونڈیوں کے علاوہ دنیا بھر کی آزاد عورتیں (ماسوائے ان کے جو ہم پر حرام کی گئی ہیں) ہم پر نکاح کے لئے حلال ہیں۔ اور ان حلال شدہ آزاد عورتوں کے ساتھ سوائے نکاح کے ہمیں مقاربت کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ اور پھر نکاح کے پیچھے اگر ہم انہیں طلاق دیں۔ تو اگر ہم نے ان سے مجامعت کی ہے۔ تو پورا مقرر کردہ مہر ورنہ نصف مہر دینا واجب آتا ہے۔

جمہور اہل تشیع ایسے صاف حکم کے ہوتے ہوئے محض ہٹ دھرمی سے آیت فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ الخ کو متعہ کی حلت میں قرار دیتے ہیں۔ اور اپنے دعوے کو اس طرح ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ آیۃ "احل لکم ما وراء ذلکم" سے حلال ہونا دونوں قسم کا ثابت ہوتا ہے۔ نکاح دائمی ہو یا منقطع یعنی متعہ اور کہ بعد آیت مذکور کے از قبیل تخصیص بعد تعمیم جناب اقدس الٰہی حکم فرماتا ہے۔ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ الخ (ترجمہ) یعنی وہ عورتیں کہ متعہ کرو تم اُن سے پس دو تم انہیں مہر ان کے جن کا دینا واجب ہے

**جواب نمبر ۱** - اس امر میں شیعہ سنی علما سب متفق ہیں۔ کہ آیت فانکحوا ما طاب لکم

ہیں جو احکام متعلق نکاح اور مہر کے مرقوم ہیں وہ از قبیل تعمیم ہیں۔ کیونکہ ان میں بغرض جواز نکاح نہ تو محرمات ابدیہ کی کوئی تخصیص کی گئی ہے۔ اور نہ مہر کے متعلق بصورت تعین رقم وبلا تعین رقم ادائیگی معاوضہ کی تخصیص کی گئی ہے خصوصًا ایسے حالات میں جبکہ طلاق قبل از مقاربت یا بعد از مقاربت عمل میں آوے۔ پس ایسے احکام جواز قبیل تعمیم صادر ہوئے ہیں۔ ان کے بعد ان کی تخصیص ضروری تھی چنانچہ نکاح کے متعلق محرمات ابدیہ کا تفصیلا ذکر کر کے اللہ تعالیٰ از قبیل تخصیص فرماتا ہے "واحل لکم ما وراء ذلکم" اور مہر کے متعلق بصورت تعین رقم اگر بعد مقاربت طلاق عمل میں آوے۔ تو اللہ تعالیٰ از قبیل تخصیص فرماتا ہے۔ "فاتوھن اجورھن فریضۃ" اور اگر قبل از مقاربت طلاق عمل میں آوے تو ارشاد باریتعالیٰ از قبیل تخصیص یوں صادر ہوتا ہے "فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ"۔ تخصیص تو ضروری تھی منکوحات کی اور ادائیگی مہر کی نہ کہ نکاح کی جسکی تخصیص تو حکم تعمیم میں یعنی نکاح وملک یمین کی صورت میں پہلے ہی مندرج ہے پھر تخصیص کی تخصیص فعل عبث ہے +

**جواب (۲)** اگر حلت کا حکم موبد وموقت ہو سکتا ہے تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ حرمت کا حکم بھی موبد وموقت نہ ہو کیونکہ حرام وحلال دونوں الفاظ اضافی ہیں۔ جو صفات ایک کے لئے لازم ہیں وہ دوسرے کے لئے بھی لازم ہونے چاہئیں خصوصًا جب کہ دونوں الفاظ ایک ہی مقام اور ایک ہی سلسلہ گفتگو میں استعمال کئے گئے ہوں۔ اگر یہ بات درست ہے تو ماں اور بہن بھی کبھی حرام موبد ہیں اور کبھی حرام موقت جو خبث محض ہے۔ اغراض بحث کے لئے اگر مان بھی لیں کہ صرف حلت ہی کا حکم مدت معین اور غیر معین کے لئے مختص ہے۔ اور آیۃ فما استمتعتم بہ الخ از قبیل تخصیص بعد تعمیم ہے۔ اس لئے اس کا اطلاق صرف عقد متعہ پر ہی ہے تو زبدۃ العارفین ارشاد فرمائیں کہ منکوحہ کو بعد مجامعت اگر طلاق دی جاوے۔ تو اس کے لئے ادائیگی مہر کی نسبت سند



قرآن کریم میں کہاں ہے +

**جواب نمبر ۳** جب تک مولینا اس جگہ کے لئے کوئی معقول یا غیر معقول وجہ تخصیص بیان نہیں فرمائینگے۔ ہمیں ہر طرح سے حق حاصل ہوگا۔ کہ قرآن مجید میں جہاں لفظ حلال استعمال ہوا ہے ہم اس کے معنی بھی حلال موبد اور حلال موقت کے لیں۔ سورۃ مائدہ میں ہے۔ "اُحلت لکم بھیمۃ الانعام" تو اس کے معنے یہ ہونے چاہئیں کہ چارپائے تمہارے لئے مدت معین اور مدت غیر معین کے لئے حلال ہیں۔ ہندوستان میں موسم گرما میں گوشت کھانا عمومًا مضر صحت ہوتا ہے۔ حالانکہ سرد ممالک میں بلا عذر سال بھر ہی کھایا جاتا ہو اسلئے ہمارے واسطے تو گوشت حلال موقت ہے۔ اور یورپین لوگوں کیلئے حلال موبد۔ پھر اس سورہ میں دوسری جگہ ہے۔ "اُحل لکم صید البحر" (ترجمہ) تمہارے لئے حلال ہے بحری شکار۔ تو گیا اس کے یہ معنی ہوئے کہ مچھلیاں وغیرہ کبھی حلال موقت ہیں اور کبھی حلال مؤبد۔ مولینا! حلال موبد وحلال موقت کی تقسیم آپ نے بقائمی ہوش وحواس کی تھی؟

**جواب نمبر ۴** ان تین بیرونی جوابوں کے بعد ہم چوتھا جواب اندرونی دینا چاہتے ہیں۔ جو آیۃ مذکور کی ترکیب ومعانی کے لحاظ سے ہو۔ ہم اگر آیہ فما استمتعتم بہ الخ پر از روئے ترکیب ومعانی تنقید کریں اور پھر اسے سباق وسیاق عبارت کی روشنی میں پڑھکر دیکھیں تو اس کے معنی حسب ذیل ہو سکتے ہیں۔ اس آیت میں "فا" حرف تفریع وتعقیب کا ہے۔ اسلئے بروئے قواعد نحو مضمون ماقبل ومابعد کو جو اصل وفرع ہیں۔ اکٹھا پڑھنا چاہیئے۔ لفظ "ما" اسم موصول ہے۔ جو بلحاظ لفظ کے واحد مذکر اور بلحاظ معنی کے جمع مؤنث ہے۔ اور اس جگہ مترادف ہے "احل لکم ما وراء ذلکم" کے "استمتعتم" بمعنی "انتفعتم" ہے جس کی ضمیر راجع ہے طرف "یاایھا الذین امنوا" کے اور لفظ "بہ" واحد مذکر ہے جس کی ضمیر راجع ہے طرف ما بلحاظ لفظ کے "منھن" و "اتوھن" و "اجورھن" کی ضمیریں راجع ہیں طرف (ما) بلحاظ معنی کے۔ "اجورھن" کے معنی "مھورھن" ہے۔ جیسا کہ اس آیت سے آگے مذکور ہے

فانکحوھن باذن اھلھن واٰتوھن اجورھن" یا جیسے آیت ولا جناح علیکم ان تنکحوھن اذا اٰتیتموھن اجورھن میں ہے۔ یا جیسے سورۂ احزاب میں ہے۔ انا احللنا لک ازواجک التی اٰتیت اجورھن۔ یا جیسے سورۂ مائدہ میں ہے۔ احل لکم..... والمحصنٰت...غیر مسافحین" پس آیت فما استمتعتم الخ کو آیات ماقبل و مابعد سے غیر منقطعہ رشتہ ہے۔ اور اسے ابتدائے کلام پر حمل کرنا صریحاً باعتبار عربیہ باطل ہے۔ اس آیت کو ماقبل و مابعد کے ربط سے پڑھا جاوے۔ تو عبارت اس طرح پر ہوگی۔" اے ایمان والو.... مت نکاح کرو ان عورتوں سے جن سے تمہارے باپوں نے نکاح کیا تھا۔ حرام ہیں تم پر واسطے نکاح کے تمہاری مائیں۔ تمہاری بیٹیاں.... اور ان کے علاوہ اور سب عورتیں تمہارے لئے حلال ہیں۔ بشرطیکہ مہر کے بدلے ان سے نکاح کرنے والے ہو نہ کہ زنا کرنے والے۔ پس جب اُن (منکوحہ عورتوں) سے فائدہ اٹھالو۔ (یعنی جماع کرلو۔ کیونکہ بعد نکاح کے سوائے مجامعت کے اور کوئی تمتع حاصل ہو ہی نہیں سکتا) تو ان منکوحہ عورتوں کو ان کے مقرر کردہ مہر ادا کردو۔ اور حرج نہیں ہے اگر مقرر کئے پیچھے مہر کو کم و بیش کرنے پر باہم راضی ہو جاؤ

قرآن کریم میں یہی ایک آیت ہے جسے خواہ مخواہ شیعوں نے حلت متعہ کے حق میں تصور کر رکھا ہے۔ کیونکہ اس میں لفظ "استمتعتم" استعمال ہوا ہے۔ اس آیۂ کریمہ کے جو معنی ہم نے اوپر درج کئے ہیں۔ اس پر یہ اعتراضات فریق مخالف نے پیش کئے ہیں:-

**اعتراض نمبر ۱**- اگر اس آیۃ کو متعہ پر محمول نہ کیا جائے۔ تو نظم قرآنی میں خرابی پیدا ہوتی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تینوں نکاح بالترتیب بیان کئے ہیں۔ (اول) فانکحوا ماطاب الخ میں نکاح دائمی کا ذکر کیا ہے۔ اور پھر فما استمتعتم الخ" میں نکاح متعہ کا اور بعد اس کے فمن" فاملکت ایمانکم الخ" میں لونڈیوں کے نکاح کا ذکر کیا ہے (برہان المتعہ)



**جواب**- آیۃ فانکحوا ماطاب الخ میں جہاں خداوند کریم نے ایک طرف زیادہ سے زیادہ چار عورتوں سے نکاح کرنے کی اجازت دی ہے۔ اور دوسری طرف بصورت خوف استغاطِ انصاف "فواحدۃ" کا حکم دیا ہے۔ وہاں ساتھ ہی یہ ارشاد بھی فرمایا ہے کہ ان کو بدو "صدقٰتھن نحلۃ" ان کے مہر خوشی سے۔ نکاح کرنے اور حق مہر دینے کے ان اجمالی احکام کے بعد اگر کوئی چیز اشد ترین ضروری ہے۔ تو یہ ہے۔ کہ ان امور کی مفصل تشریح ہو جائے کہ نکاح کیا جائے تو کن کن عورتوں سے اور کس طرح؟ اور اگر حق مہر دیا جائے تو کب؟ "کن کن" کی تشریح "حرمت علیکم" سے لیکر "واحل لکم ماوراء ذلکم" تک اور "کسطرح" کی "توضیح" ان تبتغوا باموالکم محصنین غیر مسافحین" میں کر کے اللہ تعالیٰ حق مہر کے متعلق مفصل حکم دیتا ہے۔ "فما استمتعتم الخ" کہ اگر تم نے منکوحات سے مجامعت کرلی ہے۔ تو ان کو پورا مہر مقرر کردہ ادا کردو۔ لیکن اگر باہم رضامندی سے کم و بیش کرلو تو جائز ہے۔ یہاں تک تو خدائے علیم نے کافۃ الناس کے لئے عام قاعدہ کلیہ مقرر کردیا ہے۔ جو ہر شخص پر اس کے معمولی حالات میں عائد ہوتا ہے لیکن اگر کوئی شخص غیر معمولی طور پر مثلاً تنگدست ہے کہ وسعت آزاد عورت سے نکاح کرنے کی نہیں رکھتا لیکن اُسے ضرورت نکاح کی اس حد تک ہے کہ اگر وہ نکاح نہ کرے۔ تو اسے اندیشہ گناہ کر بیٹھنے کا ہے "لمن خشی العنت منکم" تو ایسے استثنائی شخص کے لئے استثنائی حالات کے ماتحت اللہ پاک نے مسلمان لونڈی کے ہمراہ نکاح کرنے کی اجازت دی ہے لیکن اس اجازت کے ساتھ ہی یہ حکم بھی دیدیا ہے کہ اگر ایسا نہ کرو۔ اور صبر کرو تو تمہارے لئے بہتر ہے۔

اگر اغراض بحث کے لئے آیہ کریمہ فما استمتعتم الخ" کو عقد متعہ پر محمول کریں تو چونکہ متعہ شیعوں کے ہاں آزاد عورت سے بھی ہو سکتا ہے۔ اور لونڈی سے بھی اس لئے نظم قرآنی اس امر کی متقاضی تھی۔ کہ نکاح حرہ کے بعد نکاح مملوکہ کا ذکر آتا اور پھر دونوں سے متعہ کا حکم دیا جاتا۔ اور قرآن کی ترتیب عقد شرعیہ اس نہج پر ہوتی" نکاح دائمی کرو آزاد عورت سے یا لونڈی سے اور متعہ کرو آزاد عورت سے یا لونڈی سے" موجودہ صورت میں تو ترتیب یہ ہے

نکاح دائمی یا متعہ کرو آزاد عورت سے اور نکاح دائمی کرو لونڈی سے" لیکن متعہ لونڈی سے خارج از حکم متعہ ہے۔ جو عقائد شیعی کے برخلاف ہے۔ اندریں صورت ارباب بصیرت اس امر کا فیصلہ کریں کہ خرابی نظم قرآنی میں شیعوں کی تاویل سے پیدا ہوتی ہے۔ یا ہماری تاویل سے۔

**اعتراض نمبر ۱**۔ اگر "استمتاع" کے معنی عقد متعہ کے نہ ہوں تو لامحالہ یا تو اس کے معنی مجامعت کے ہونگے یا نکاح دائم کے۔ بصورت اول بدوں مجامعت خاوند کے ذمہ کچھ بھی مہر دینا واجب نہ ہونا چاہیئے۔ حالانکہ نصف مہر بعد طلاق قبل از دخول واجب ہے۔ اور بصورت ثانی کل مہر بنفس عقد نکاح واجب ہونا چاہیئے۔ حالانکہ بمجرد عقد نکاح کل مہر کا دینا کسی طرح بھی واجب نہیں ہے (تفسیر مجمع البیان۔ برہان المتعہ۔ تنبیہ المنکرین)۔

**جواب** ہم تسلیم کرتے ہیں۔ کہ استمتاع سے وقاع (مجامعت) مراد ہے۔ اور یہ نکاح دائم پر متفرع ہے۔ مگر اس کو تسلیم نہیں کرتے کہ عدم وقاع کی صورت میں طلاق قبل از دخول سے مہر بھی لازم نہ آئیگا۔ آخر اس لزوم عدم لزوم کی دلیل کیا ہے۔ حالانکہ ارشاد خداوندی ہے وان طلقتموھن .... فنصف ما فرضتم" اور صورت ثانی ہم نے کبھی تسلیم ہی نہیں کی ہمارا تو دعویٰ ہی یہ ہے کہ "استمتاع" کے معنی وقاع و خلوت صحیحہ کے ہیں۔ اس لئے کہ قید نکاح تو خود "محصنین" سے ثابت ہے کیونکہ اگر تحلیل "ما وراء" محرمات ابدیہ میں شرط نکاح ملحوظ نہ ہو تو بلا نکاح کے نفس تحریم میں محرمات ابدیہ و غیر ابدیہ سب برابر ہیں۔ پس نکاح کی حلت کے کوئی معنی نہیں تو اب نکاح پر احکام نکاح کی تفریع صحیح ہوگی جس کے لئے لفظ "فا" موضوع ہے اور اگر عقد نکاح مراد ہو جیسا کہ شیعہ قائل ہیں۔ تو تفریع بے سود اور بالکل بے معنی ہو جائیگی۔ کیونکہ تفریع میں متفرع علیہ کے ساتھ تعلق اور مغائرت ضروری ہے۔ حالانکہ نکاح کی قید پہلے ہی معلوم ہو چکی تھی پس نکاح پر تفریع نکاح کے کوئی معنی نہیں ورنہ وحدت متفرع و متفرع علیہ لازم آئیگی۔ اسی طرح تعقیب الشئی عن نفسہ بھی باطل ہے۔ اور عقد متعہ ہونے کی



صورت میں مابعد حرف "فا" کو ماقبل سے کوئی تعلق نہیں رہتا۔

(**نوٹ**) اس جگہ اعتراض کیا جا سکتا ہے۔ کہ خلوت صحیحہ کس دلیل سے وقاع کی مترادف تصور کی گئی ہے۔ سو اس کا جواب یہ ہے۔ خلوت صحیحہ کے بعد عورت کی طرف سے تسلیم متحقق ہو جاتی ہے۔ اب عدم وقاع میں اگر قصور ہے تو زوج ہی کا ہے مطابق لا تزر وازرۃ وزر اخریٰ زوج کے قصور کی وجہ سے غریب زوجہ کیوں نقصان اٹھائے۔ بائع اگر مبیع کو مشتری کے حوالہ کر دے تو اس سے نفع اٹھانا اور اس کو استعمال میں لانا مشتری کا کام ہے۔ اس کے عدم استعمال سے بائع کیوں بدل مبیع سے محروم کیا جائے۔ اور چونکہ بعد خلوت صحیحہ تحقق وقاع عادۃ کثیر الوقوع ہے۔ اور نیز وہ منجملہ دواعی وطی کے اقرب الی الوطی ہے۔ اس کو قائم مقام وطی کر دیا۔ اور دواعی وطی کا قائم مقام ہونا قرآن مجید سے بھی مفہوم ہوتا ہے۔ وان طلقتم النساء ما لم تمسوھن الخ اس آیت میں وطی و دواعی وطی کو "مس" کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ حالانکہ "مس" کے معنی بھی جماع کے نہیں ہیں۔ علاوہ اس کے شرطیہ وقاع کی صورت میں کوئی شریر النفس خلوت میں اپنا کام نکال کر مہر دینے کے ڈر سے انکار کر سکتا ہے لیکن اس کے برعکس خلوت صحیحہ کی صورت میں اس کا انکار بوجہ شہادت در و بست اغیار قابل اعتبار نہیں ہو سکتا۔

**اعتراض نمبر ۲** سے لغو اعتراض آج تک دیکھنے سننے میں نہیں آیا۔ یہ اعتراض تو بعینہ ایسا ہے جیسے کوئی اس قانون سے کہ جو کوئی قتل عمداً کریگا۔ اس کو پھانسی کی سزا دی جائیگی۔ یہ نتیجہ اخذ کرے کہ قتل عمد نہ کرنیوالے کو کوئی سزا نہیں دیجائیگی۔ حالانکہ قتل عمد نہ کرنے والوں میں ضارب الشدید بھی ہو سکتے ہیں۔ جن کے لئے جداگانہ سزائیں مقرر ہیں معلوم ہوتا ہے۔ کہ معترض صاحبان کو شرع تو شرع ہندوستان کے دیوانی قانون معاہدات سے مطلقاً مس ہی نہیں ہے۔ معاہدہ کے تین مراحل ہیں۔ اقرار۔ تکمیل معاہدہ اور تعمیل معاہدہ۔ اقرار قابل مواخذہ نہیں۔ کیونکہ اس میں فریق اول کی طرف سے ایجاب تو ہوتا ہے۔ مگر فریق ثانی کی طرف سے

قبولیت نہیں ہوتی تکمیل معاہدہ میں ایجاب بھی ہوتا اور قبول بھی لیکن فریقین کی طرف سے اپنے اپنے مقررہ فرائض کی ادائیگی عمل میں نہیں آتی ۔ اور تعمیل معاہدہ میں فرائض کی ادائیگی پر فریقین یا کم از کم ایک فریق عمل پیرا ہو جاتا ہے ۔ مقدم الذکر صورت میں اندیشہ نقصان کم اور موخر الذکر صورت میں اندیشہ نقصان زیادہ ہوتا ہے ۔ اس لیئے اگر کوئی شخص معاہدہ کی تکمیل کے بعد اس کو فسخ کر دے تو کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ منسوخ کنندہ معاہدہ بطور ہرجانہ کچھ ادا کیوں نہ کرے ۔ چنانچہ باریتعالیٰ نے تکمیل معاہدہ نکاح کے بعد تنسیخ کا ہرجانہ "فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ" فرمایا ہے ۔ اور تعمیل معاہدہ نکاح کے بعد تنسیخ کا ہرجانہ اُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً مقرر کیا ہے ۔ طلاق قبل از دخول کی صورت میں چونکہ عورت کی محض عفت ریزی ہوتی ہے ۔ اس لیئے نصف مہر کی سزا مقرر ہے ۔ لیکن مجامعت کے ساتھ چونکہ عصمت دری وقوع پذیر ہوتی ہے اس لیئے کامل مہر کی سزا کا حکم دیا جاتا ہے

**اعتراض نمبر ۳** چونکہ "استمتاع" کے حقیقی لغوی معنی مطلق انتفاع ہے ۔ اس لیئے اخذ وقاع مجاز ہے ۔ اور حقیقت کو چھوڑ کر مجاز سے متمسک ہونا ناجائز ہے ۔

**جواب** استمتاع سے وقاع کو مجاز کہنا عقل وفہم پر ستم کرنا ہے ۔ استمتاع بالنساء کا فرد کامل بلکہ فرد مخصوص بجز وقاع کے اور کیا ہے جس کو حقیقت کہیں ۔ بلکہ اگر استمتعتم کے صلہ کو خیال کیجیئے اور الباء للالصاق کا قاعدہ ملحوظ رکھئے ۔ تو وقاع کی اور تعین ہو جاتی ہے بلکہ اگر وقاع کو استمتاع سے مجاز بھی کہیں ۔ حالانکہ مجاز کہنا یقیناً غلط ہے ۔ البتہ مشترک معنوی ہو سکتا ہے ۔ تاہم قرینہ الصاق موجب تعین وقاع ثابت ہے ۔ اگرچہ قرائن عقلیہ کے ہوتے ہوئے قرائن لفظیہ کی ضرورت نہیں ہے ۔ ایک طرف تو نکاح کیلئے محرمات وغیرہ کو بیان کیا جاتا ہے ۔ آخر نکاح سے مقصود کیا ہے ۔ دوسری جانب نساؤکم حرث لکم" ارشاد ہوتا ہے ۔ پس کوئی کاشتکار ایسا ہوا ہے کہ بیلے جوتے بوئے کھیت کو



محض دیکھکر پیداوار کا امیدوار رہا ہو ۔ پھر نکاح حرائر کے بعد نکاح اماء کو بیان کر کے فرماتا ہے ۔ "ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ" کہیں پانی دیکھنے سے پیاس بجھتی ہے اور زوجہ کے دیکھنے سے شبق کا علاج ہوا ہے ؟

**اعتراض نمبر ۴** ۔ اگر اس آیۃ سے مراد متعہ ہوتی تو بجائے اجورھن کے "صدقاتھن" یا "مھورھن" لکھا ہوتا ۔ جیسا کہ دوسری جگہوں پر انہیں الفاظ سے اس مفہوم کو ادا کیا گیا ہے (تنبیہ المنکرین)

**جواب** فرقان حمید میں "اجورھن" جس جگہ بہ قرینہ نکاح استعمال ہوا ہے ۔ وہاں یہ مہورھن ہی کی جگہ استعمال ہوا ہے ۔ ملاحظہ ہو (۱) فانکحوھن باذن اھلھن واٰتوھن اجورھن پ ۵ ع ۱ (۲) لا جناح علیکم ان تنکحوھن اذا اٰتیتموھن اجورھن پ ۲۸ ع ۶ (۳) انا احللنا لک ازواجک التی اٰتیت اجورھن پ ۲۲ ع ۳ (۴) والمحصنت من المؤمنات ..... اذا اٰتیتموھن اجورھن پ ۶ ع ۲ ۔ نہ صرف "اجور" ہی بجائے مہر کے استعمال ہوا ہے ۔ اللہ پاک نے "متاع" کو بھی اس معنی میں کئی جگہ استعمال کیا ہے ۔ "ومتعوھن علی الموسع قدرہ الخ" (ترجمہ) اپنی وسعت کے اندازہ سے ان کو مہر دیدو ۔

**اعتراض نمبر ۵** اس آیہ کریمہ کے حکم میں نکاح اور متعہ دونوں شامل ہیں ۔ کیونکہ لفظ استمتاع میں دونوں مطلب شامل ہیں ۔ خواہ استمتاع بصورت تابیدہو یا بہ نہج توقیت ۔ پس جبکہ دونوں قسمیں اس حکم میں شامل ہیں تو متعہ ثابت ہے +

**جواب** شیعہ صاحبان ایک طرف تو اس آیت کو نکاح اور متعہ دونوں پر شامل تصور کرتے ہیں اور دوسری طرف اس کا نزول خاص متعہ میں تسلیم کرتے ہیں ۔ اور اسکو ثبوت متعہ میں نص ٹھہرانے کے لیئے قرأت شاذہ وروایات مجہولہ سے "الی اجل مسمی" بڑھاتے ہیں پس دو ہی صورتیں ہیں ۔ یا تو بقول اہل سنت جو قرآن مجید کو کامل مکمل مانتے ہیں ۔ یہ آیت مثبت متعہ نہیں ہے ۔ یا بقول قائلان تحریف فی القرآن خاص در باب متعہ ہے +

فالجمع بین القولین کالرکوب علی السفینتین ان دو اقوال کا جمع کرنا دو کشتیوں میں پاؤں رکھنے کے برابر ہے۔ جو لغو محض ہے +

**اعتراض نمبر۵** یہ آیت حلت متعہ ہی میں مقصود ہے۔ کیونکہ ابی ابن کعب و عبداللہ ابن عباس کی قرأت پر ثابت ہے۔ لہذا حلت متعہ باجماع امت ثابت ہے۔

**جواب**۔ اگر اسکے مطابق فقرہ الی اجل مسمی اس آیت میں ہوتا اسکی قرأت کا کسی نے انکار نہیں کیا پس اجماع امت اس قرأت پر جمہور صحابہ کا اتفاق ہوتا اور وہ اسکو جزو قرآن سمجھتے تو ضرور یہ فقرہ داخل قرآن مجید رہتا۔ اور ہرگز خارج نہ کیا جاتا۔ اگر ایسا ہوتا تو جناب فاروق رضؓ ضرور اس کو داخل قرآن رہنے دیتے۔ کیونکہ جمع قرآن کے وقت تو حضرت عمرؓ بقول شیعہ منکر متعہ بھی نہ تھے۔ تاکہ یہ شبہ ہو کہ اپنی بات کی پچ میں ایسا کیا انکار تو اپنی خلافت کے عہد میں کیا ہے۔ تو جب اس قرأت پر اجماع امت ثابت نہیں بلکہ اس کے جزو قرآن نہ ہونے پر اجماع امت ہوا تو نتیجہ یہ نکلا۔ کہ حرمت متعہ پر اجماع امت ہے جب خود علامہ مجلسی اس قرأت کو قرأت شاذہ کہتے ہیں (رسالہ متعہ) تو پھر بات ہی کیا رہی کہ جس پر اس قدر شد ومد سے کہا جاتا ہے۔ کہ اس قرأت پر اجماع جمہور امت ہے۔

**اعتراض نمبر۶** آیت ہذا میں مجرد ابتغار بمال استمتاع مذکور ہے۔ اور بعد ازاں اللہ تعالیٰ حکم فرماتا ہے کہ بعد استمتاع اجرت مقررہ ان کو دیدو اور یہ اس امر پر دال ہے۔ کہ مجرد ابتغار بمال جماع جائز ہے۔ اور یہ صورت صرف عقد متعہ ہی میں متصور ہے۔ کیونکہ نکاح دائم میں یہ حالت یعنی جماع بمجرد ابتغار بمال درست نہیں۔ نکاح دائم بغیر حاضری گواہ و اجازت ولی منعقد نہیں ہو سکتا۔ اور بغیر عقد کے جماع جائز نہیں۔ پس ثابت ہوا کہ اس آیت کو نکاح دائم سے کوئی تعلق نہیں۔ بلکہ متعہ ہی سے متعلق ہے۔

**جواب** یہ اعتراض تو بالکل بے معنی اور خبط بے ربط ہے۔ بلکہ مذہب کے بھی مخالف ہے۔ کیونکہ یہ کہنا بالکل غلط ہے۔ کہ آیۂ کریمہ میں مجرد ابتغار بالمال مذکور ہے۔ بلکہ ان تبتغوا باموالکم محصنین غیر مسافحین" میں چار شرطیں بیان کی گئیں ہیں



اول "ابتغاء" یعنی زبان سے ایجاب و قبول کرنا اگرچہ "لغتاً" اس لفظ کے معنی مطلق طلب کے ہیں مگر طلب منویہ تو بالاتفاق معتبر نہیں علاوہ اس کے مال کا مقابلہ اسی عقد باللسان کو مقتضی ہے۔ کیونکہ لین دین کا معاملہ بلا گفت و شنود و تراضی طرفین طے نہیں ہو سکتا۔ دوم "مال" یعنی مہر و نفقہ دینا منظور ہو۔ سوم ارادہ احصان یعنی تزوج مقصود ہو چہارم نفی "سفاح" یعنی نفس قضائے شہوت مقصود نہو۔ پس ان دلائل کے رو سے آیۂ کریمہ کو مجرد ابتغار بالاموال میں منحصر سمجھنا بالکل غلط ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ابتغار بالمال کے بعد "محصنین" بڑھایا گیا۔ کیونکہ مجرد ابتغاء بالمال تو زنا میں بھی ہوتا ہے (بازاری رنڈی کبھی تو سوائے روپے کے اور کیا چاہتی ہے) پھر تاکید غیر مسافحین" سے فرمائی یعنی مال خرچ کرنے سے شہوت رانی مقصود نہ ہو جیسا کہ زنا میں ہوتا ہے۔ اگر بغور دیکھا جائے تو ان دو قیدوں سے متعہ و زنا دونوں باطل ہو گئے کیونکہ متعہ سے ثبوت احصان نہ ہونا مسلمہ شیعان ہے باقر مجلسی رسالہ متعہ کے فصل حدود میں لکھتے ہیں "محصن کسے است کہ او را فرج حلال باشد دائمی یا بملک کہ صبح و شام با و توان رسید اگر بنکاح متعہ داشتہ باشد موجب احصان نیست" اور تقریر ما سبق سے مجرد ابتغاء بمال جواز جماع بھی باطل ہو گیا۔ کیونکہ یہ بات تو فقط زنا میں متصور ہے۔

یہ کہنا بھی بقاعدہ شیعان غلط ہے کہ نکاح دائم بغیر چار گواہاں و اجازت ولی نہیں ہو سکتا کیونکہ باقر مجلسی کے رسالہ فقہ کے باب النکاح میں ہے "شرط نیست گواہ در ہیچ نکاح پس اگر پنہاں کنند و آنرا پوشیدہ دارند صحیح باشد اور ثابت نیست ولایت ایشاں بر زنان بالغ رسیدہ اگرچہ بکر باشد"

**اعتراض نمبر۷** آیۂ کریمہ میں مجرد استمتاع اجرت دینے کا حکم ہے۔ اگر استمتاع نہ ہو تو اجرت نہیں۔ نکاح دائم میں خواہ استمتاع واقع ہو یا نہ ہو نکاح کے بعد نصف مہر دینا لازمی ہے۔ نیز شریعت میں نکاح و استمتاع میں فرق ہے (یعنی) استمتاع تلذذ کا نام ہے

اور مجرد نکاح تلذذ نہیں) پس ثابت ہوا کہ یہ آیت متعہ کے بارے میں ہے۔

**جواب:** "استمتاع" کے بعد اجر دینے کا حکم ہے۔ اور کل اجر کا جیسا کہ لفظ "فریضۃ" سے عیاں ہے۔ مگر اس کے برعکس نفس عقد سے کل مہر کا ادا کرنا لازم نہیں اور جب شریعت نے نکاح و استمتاع میں فرق کیا اور استمتاع تلذذ کا نام ہے۔ اور بعد استمتاع ادائے مہر کامل کا حکم دیا ہے۔ تو ہم نہیں سمجھ سکتے کہ پھر اس آیت سے متعہ کس طرح ثابت ہو گیا۔ بلکہ جب نفس عقد استمتاع نہیں اور بلا استمتاع مہر کامل واجب نہیں۔ تو یہی آیت بطلان متعہ کے لئے کافی ہے۔ کیونکہ برخلاف آیہ کریمہ متعہ میں نفس عقد سے ادائے مہر کامل واجب ہو جاتا ہے چنانچہ باقر مجلسی رسالہ فقہ کے باب المتعہ میں لکھتا ہے۔ "بمجرد عقد تسلیم واجب میشود الخ" یعنی بمجرد عقد متعہ تفویض اجر لازم ہے۔ اور شیعوں کی یہ توجیہ اسلامی قانون اجارہ کے بالکل منافی ہے۔ اجارہ متعہ کیا عجیب اجارہ ہے۔ جس میں بلا کام کے صرف نفس معاملہ پختہ ہو جانے سے پوری اجرت دیدینی لازم ہو جاتی ہے

**اعتراض نمبر ۵۔** اگر اس آیت کو نکاح مطلق کے متعلق مانا جائے تو ایک ہی صورت میں دو دفعہ ایک ہی حکم کا صدور ماننا پڑیگا پس رفع تکرار ضروری ہے۔ لہٰذا یہ آیت متعہ کی نسبت ہے

**جواب:** یہ بھی بالکل باطل ہے۔ کیونکہ آیہ "فانکحوا ما طاب لکم الخ" میں استمتاع کی قید اور کل مہر کا دینا مذکور نہیں ہے وہاں "صدقاتہن نحلۃ" اور یہاں "اجورہن فریضۃ" ہے ان دونوں آیتوں کو ہم معنی قرار دینا اگر حماقت مطلق نہیں تو کیا ہے۔ اور اگر اس کو خیال کیجئے کہ کلام مقید میں حکم قید پر ہوتا ہے تو اور بھی مطلب صاف ہو جاتا ہے۔ کہ پہلی آیت میں "نحلۃ" قید واقع ہے۔ اور سوق کلام بھی اس کے لئے ہے۔ اور دوسری آیۃ میں "فریضۃ" قید واقع ہے۔ اور سوق کلام بھی بیان ادائے فریضہ یعنی مہر کامل کے لئے ہے ÷

نیز پہلی آیت کے مخاطب اولیائے زوجہ ہیں اور دوسری میں بالاتفاق ازدواج۔ پہلی آیت میں اولیائے زوجہ کو ہدایت کی گئی ہے۔ کہ وہ اُن کے وصول کردہ مہروں میں تعرض



نہ کریں۔ ہاں اگر عورتیں خود خوشی سے کچھ ان کو دیدیں تو وہ ان کا حق ہے۔ اور دوسری میں مقررہ مہروں کی کمی بیشی کے متعلق حکم خداوندی ہے۔ "ولا جناح علیکم فیما تراضیتم بہٖ من بعد الفریضۃ" کیونکہ تراضی طرفین کی وہیں ضرورت ہوتی ہے جہاں کہیں دو شخصوں میں کوئی معاملہ ہے۔ اور ولی زوجہ کا مہر کے درمیان کوئی معاملہ ہی نہیں جس میں تراضی کی حاجت ہو۔ ہر چند یہ آیت جسے شیعہ صاحبان اباحت متعہ میں پیش کرتے ہیں بنفسہٖ حرمت متعہ کو ثابت کرتی ہے لیکن بمصداق "بدر انجانہ یا یدر سانید" قرآن کریم کی دیگر آیات سے حرمت متعہ کی تصدیق اور اباحت متعہ کی تغلیظ کے استدلال اخذ کئے جاتے ہیں ÷

**دلیل دوم۔** اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "قد افلح المؤمنون ...... الا علی ازواجہم او ما ملکت ایمانہم فانہم غیر ملومین۔ فمن ابتغی وراء ذلک فاولئک ہم العادون۔

(ترجمہ) تحقیق مراد والے اپنی مراد کو پہنچ گئے۔ اور یہ وہ لوگ ہیں۔ جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ مگر اپنی عورتوں اور اپنی لونڈیوں سے کہ ان میں ان کو کچھ الزام نہیں ہے۔ لیکن ان کے علاوہ جو کسی اور کے طلبگار ہوں تو وہی لوگ حدود شرع سے باہر نکلے ہوئے ہیں۔ اس آیت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ سوائے منکوحات و مملوکات کے اور کسی عورت کے سامنے ہمیں اپنی شرمگاہوں کی حفاظت سے دست بردار ہونا لازم نہیں ہے۔ اور جو اس کے خلاف عمل کرے وہ خدا کا باغی ہے۔ اس آیۃ کریمہ میں "فمن ابتغی وراء ذلک" بالخصوص غور طلب ہے۔ یہی ایک فقرہ حرمت متعہ کے لئے ناقابل تردید سند ہے۔ اس فقرہ میں "فا" حرف تعقیب بطور تفریع کے استعمال ہوا ہے۔ اور چونکہ یہ "من" اسم موصول پر لگا ہوا ہے۔ اس لئے جملہ مابعد کہ جو فرع ہے اپنے جملہ ماقبل سے جو اس کا اصل ہے مربوط کرتا ہے "ذلک" اسم اشارہ مفرد ہے جس کا مشارٌ الیہ بلحاظ معانی کے وہ کام ہے جس کا ذکر قبل آچکا ہے۔ یعنی "حفاظت فرج از زنان غیر از ازواج و مملوکات"

پس اس فقرہ کے معنی یہ ہوئے کہ جو شخص اپنی منکوحات و مملوکات کے علاوہ کسی اور عورت سے مقاربت کرتا ہے۔ وہ یقیناً شرعی حدود کو توڑنے والا ہے جس کی سزا مطابق حکم باریتعالےٰ "ومن یتعد حدود اللہ فاولئک ھم الظٰلمون" ہے۔ اور ظالموں کی سزا سوائے جہنم کے اور کیا ہو سکتی ہے۔

**اعتراض نمبر (۱)** زن متعہ بھی ازواج میں شامل ہے۔ کیونکہ زوجہ دو طرح کی ہوتی ہے۔ ایک دائمی جس میں میراث نفقہ و طلاق ہے۔ اور ایک منقطع کہ جس میں یہ اوصاف نہیں ہوتے۔ لیکن کہتے دونوں کو زوجہ ہی ہیں جیسے صلوٰۃ کئی طرح کی ہوتی ہے۔ ایک وہ جس میں اذان۔ اقامت اور جماعت ہے۔ اور ایک وہ جس میں یہ اوصاف نہیں ہوتے لیکن کہتے دونوں کو صلوٰۃ ہی ہیں (برہان المتعہ وغیرہ)

**جواب نمبر (۱)** جہاں کہیں اللہ پاک نے لفظ "زوجہ" یا "ازواج" قرآن پاک میں استعمال کیا ہے۔ اس کے معانی منکوحہ یا منکوحات کے سوائے اور کچھ ہو ہی نہیں سکتے چنانچہ ملاحظہ ہو

(۱) "یا آدم اسکن انت وزوجک الجنۃ" پ ۱ ع ۴ (ترجمہ) اے آدم تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو۔ حضرت حوا جناب ابو البشرؑ کی زن منکوحہ تھیں نہ کہ ممتوعہ۔ کیونکہ آپ دائمی زوجہ تھیں نہ کہ وقتی بیوی کہ "ہر مقامے و ہر زنے" کے مطابق تبدیل ہوتی رہی ہو۔

(۲) "یا ایھا النبی قل لازواجک" پ ۲۲ ع ۳ (ترجمہ) اے نبیؐ اپنی عورتوں سے کہدو الخ یہ امر متفق علیہ ہے کہ رسول کریمؐ کی پاک صحبت میں کوئی زن ممتوعہ نہ تھی کلیہ ازواج مطہرات بذریعہ نکاح اُن کی زوجیت میں آئی تھیں شیعہ صاحبان آنجناب کی کسی ایسی زوجہ کا نام پیش کریں۔ جو صیغہ متعہ کے ذریعہ سے زوجہ منقطع بنی ہو۔

(۳) "زوجنکھا" پ ۲۲ ع ۳ (ترجمہ) اے نبیؐ ہم نے اس عورت کو تیری زوجہ بنا دیا ہے۔ کیا حضرت زید کی مطلقہ ام المومنین حضرت زینبؓ زن ممتوعہ تھیں یا بذریعہ نکاح سلسلۂ زوجیت میں آئی تھیں؟



(۴) "ان تبدل بھن من ازواج" پ ۲۲ ع ۵ (ترجمہ) کہ اپنی ازواج میں سے تبدیل کرو۔ اس جگہ بھی رسول کریمؐ کی منکوحات کا ہی ذکر ہے۔ نہ کہ ممتوعات کا جو کبھی آپ نے اپنے نفس پر حلال نہیں کیں۔

(۵) "واصلحنا لہٗ زوجہٗ" پ ۱۷ ع ۶ (ترجمہ) حضرت زکریاؑ کے لئے ہم نے اس کی بیوی کو درست کر دیا۔ کیا حضرت زکریاؑ بھی آج کل کے بوالہوسوں کی طرح سفری بیویاں رکھا کرتے تھے جن میں سے ایک کی شفایابی کی خوشخبری جناب باریتعالےٰ سے نازل ہوئی ہے

ان سب مثالوں سے صاف عیاں ہوتا ہے۔ کہ زوجہ جس کا ذکر قرآن کریم میں آیا ہے اسکا اطلاق صرف منکوحہ پر ہی ہو سکتا ہے۔ اور بس۔ بیچاری ممتوعہ کسی طرح بھی ازواج کے زمرہ میں داخل نہیں ہو سکتی۔ خواہ روافض کے وضاعی دماغ لاکھ طرح کی تاویلیں اختراع کریں۔

**جواب نمبر (۲)** فرقان حمید نے لوازمات زوجیت چار قرار دیئے ہیں۔ میراث۔ طلاق عدت۔ اور نفقہ وھذا التصریح بالترتیب۔

**اما میراث** اس کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے "ولکم نصف ما ترک ازواجکم" یہ تو ہے سند نسبت توارث فیما بین فریقین نکاح اور سند نسبت توارث فی الاولاد یہ ہے۔ "للذکر مثل حظ الانثیین" (ترجمہ) لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہے۔ اس کے برعکس علمائے متعہ کا فتویٰ نسبت توریث اس طرح پر ہے "لیس بینھما میراث اشترط اولم یشترط" فروع کافی ج ۲ کتاب اول صفحہ ۱۹۳ (ترجمہ) فریقین متعہ کے درمیان میراث نہیں ہے۔ خواہ اس کے متعلق شرط ہو یا نہ ہو۔ **اما طلاق** اگر زن و شوہر میں باہم نا اتفاقی رہتی ہو۔ یا کسی اور وجہ سے شوہر اپنی منکوحہ سے علیحدہ ہونا چاہے تو اسے حکم ہے۔ کہ بذریعہ طلاق اسے علیحدہ کر دے۔ قولہ تعالیٰ "سرحوھن سراحاً جمیلاً" لیکن زن ممتوعہ کی علیحدگی کے لئے طلاق کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ کیونکہ انقطاع میعاد متعہ ہی بمنزلہ طلاق کے سمجھی جاتی ہے۔ چنانچہ باقر مجلسی رسالہ فقہ کی کتاب الفراق

میں لکھتے ہیں "پنجم آنکہ نکاح دائمی باشد۔ پس واقع نشود طلاق در متعہ۔"

**اما عدت** عدت کا حکم آیہ کریمہ "وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ" سے صاف ظاہر ہے اور مدت عدت طلاق کی صورت میں حائضہ کے لئے تین حیض "وَالمطلقت یتربصن بانفسهن ثلثة قروء۔" اور غیر حائضہ کی صورت میں تین ماہ مقرر ہے۔ "ویذرون ازواجا یتربصن بانفسهن" الخ (سورہ بقر) بشرطیکہ وہ حاملہ نہ ہو جس صورت میں وضع حمل مدت عدت ہے۔ "وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ ..... حملهن"۔ اب فرقہ مخالف قرآن کی درافشانی ملاحظہ ہو۔ "کافی الکلینی" ج ۲ صفحہ ۱۹۴ میں ہے۔ "خمسة واربعون یوماً" اور جامع عباسی میں ہے۔ "دوم زنانیکہ ایشاں را بعقد متعہ دخول کردہ باشد چہ عدت ایشاں دو مرتبہ از حیض پاک شدن است" اگر متعہ حکم شرعی ہے۔ اور زنِ متعہ واقعی زوجۂ شرعی ہے۔ تو باوجود نص قطعی "ثلثة قروء" اور "ثلثة اشهر" کے علمائے شیعہ کی اس تہافت و تخالف کی بجز ان کی دین فروشی کے اور کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی۔ "ثلثة" کے لفظ سے بوجہ اس کے کہ یہ خلفائے ثلثہ کی یاد دلانیوالی ہے۔ ان کو طبعاً دایماً نفرت ہے۔ **اما نفقہ** نکاح کے بعد شوہر اپنی زوجہ کو گذارہ دینے کا ذمہ دار ہے۔ **قولہ** "وبما انفقوا من اموالهم" پس بروئے قرآن مجید یہ لوازمات زوجیت کے اجزا لاینفک ہیں۔ جو عورت ان لوازمات سے محروم ہے۔ اُسے قرآنی اصطلاح میں ہم زوجہ نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ "الشی اذا ثبت ثبت بلوازمہ" زوجہ کی دو قسمیں یعنی دائمی اور عارضی جو بیان کی گئی ہیں۔ اس کی سند قرآن کریم میں کہیں موجود نہیں ہے۔ اور یہ جو صلوۃ کی مثال دی گئی ہے۔ کہ اس کا اطلاق نماز جنازہ پر بھی کیا گیا ہے۔ حالانکہ اس میں کوئی بھی رکن صلوۃ کا نہیں ہوتا۔ اس کے مقابلہ پر ہم بھی ایک مثال "ولد" کی دیتے ہیں۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک ولد النکاح اور دوسرا ولد الزنا۔ گو کہنے کو دونوں کو ولد ہی ہیں۔ حالانکہ ولد الزنا میں نہ تو اثبات نسب ہی ہے اور نہ میراث۔ اگر زنِ ممتوعہ بھی اسی طرح ازواج کے زمرہ میں شامل ہے۔ جس طرح کہ ولد الزنا



اولاد کے زمرہ میں شامل ہے۔ تو چشم ما روشن دل ما شاد کیونکہ ہمارا دعویٰ ہی یہ ہے کہ زنِ ممتوعہ زانیہ ہے جس طرح ولد الزنا حرامی ہے۔

**اعتراض نمبر ۲** - میراث۔ نفقہ و طلاق زوجہ کو زوجہ ہونے کی حیثیت سے حاصل نہیں ہیں بلکہ باعتبار رضامندی و تابعداری شوہر کے اور نہ مخالف ہونے اس کے دین کے ہیں۔ اس لئے کہ اگر عورت کافرہ ہو جائے تو میراث شوہر کی نہیں پاتی۔ اور اگر شوہر کو ناراض رکھے تو اس کا نفقہ بھی شوہر سے ساقط ہو جاتا ہے۔ اور اگر مرتدہ ہو جائے۔ تو بلے طلاق کے بائن ہو جاتی ہے۔

**جواب** میراث و غیرہم زوجہ کے شرعی حقوق ہیں۔ جو بوجہ قید نکاح میں آنے کے اس کو حاصل ہوتے ہیں۔ اور سوائے ان استثنائی موانعات کے وہ ان حقوق سے کبھی محروم نہیں ہو سکتی استثناء کو قاعدہ کلیہ کا ناسخ قرار دینا کچھ شیعہ دماغ ہی کا شیوہ ہو سکتا ہے اس مضمون کو دوسرے طریقہ پر اس طرح ادا کیا جا سکتا ہے۔ کہ اگر منکوحہ کافرہ بھی نہ ہو جائے۔ اور شوہر کی نافرمانی بھی نہ کرے تو وہ یقیناً مؤخر الذکر حالت میں بصورت انکار منجانب شوہر اور مقدم الذکر حالت میں بروفات شوہر بذریعہ عدالت نان و نفقہ بھی لے سکتی ہے۔ اور میراث بھی حاصل کر سکتی ہے لیکن اس کے برعکس اگر ممتوعہ مومنہ بھی رہے۔ اور تابعداری بھی کرے تب بھی اسے میراث و نفقہ کا حق حاصل نہیں ہوتا۔ کیا ایک یومیہ اجرت پہ کام کرنیوالا مزدور اور سرکار کا قابل پنشن آسامی کا مستقل ملازم دونوں مساوی الحیثیت ہو سکتے ہیں مزدور کیسا ہی اچھا کام کرنے والا ہو۔ وہ پنشن کا مستحق نہیں ہو سکتا خواہ وہ تمام عمر یومیہ اجرت کے کام پر ایک ہی شخص کی خدمت میں بسر کر دے۔ لیکن اس کے برعکس سرکاری ملازم یقیناً پنشن کا حقدار ہے۔ بشرطیکہ اس سے غیر معمولی طور پر کوئی ایسا فعل سرزد نہ ہو جائے جس کی وجہ سے وہ ملازمت سے برطرف ہو کر اپنے حقوق پنشن ضائع کر دے۔ اسی طرح پسر شرعی اگر اپنے باپ کو قتل کر دے یا کافر ہو جائے۔ تو وہ محروم الارث ہو جاتا ہے۔ تو کیا اس کے

یہ معنی ہو سکتے ہیں کہ نسب سبب توارث نہیں بلکہ بیٹے کی فرمانبرداری اور دینداری سبب توارث ہے۔ فرقان حمید توالیسی لغو توجیہ کے لئے فرماتا ہے "یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین"۔ کہ اللہ تمہیں اولاد کے بارے میں حکم دیتا ہے۔ کہ لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہے۔ اب یہ فیصلہ کرنا ارباب بصیرت کے لئے ہے۔ کہ حکم خدا کو قطعی سمجھیں یا شیعی توجیہ کو۔

خلاصہ یہ ہے کہ جب ممتوعہ کو بالاتفاق یہ حقوق حاصل نہیں تو بوجہ انتفائے احکام و لوازم زوجیت وہ زوجہ شرعی باقی نہیں رہی۔ اور جب زوجہ شرعی نہیں رہی تو متعہ باطل ہو گیا

**اعتراض نمبر ۳** اہل سنت کی کتابوں میں زن ممتوعہ کو زوجہ اور منکوحہ بیان کیا ہے۔ **بخاری** میں لکھا ہے۔ تزوج المراۃ بالثوب الی اجل یعنی زوجہ بناتے تھے ہم عورت کو ساتھ کپڑے کے مدت معین تک۔ اور تاریخ طبری (یہ دراصل شیعوں کی کتاب ہے) (بندہ) میں لکھا ہے۔ کہ تزوج ذبیر اسماء بنکاح المتعۃ" (ترجمہ) تزوجہ کیا زبیر نے اسمار کو نکاح متعہ کے ساتھ۔ پس پہلی حدیث سے زن ممتوعہ کا زوجہ ہونا ثابت ہوا۔ اور دوسری حدیث میں منکوحہ ہونا ثابت ہوا (تنبیہ المنکرین)

**جواب** معترض یقیناً عقل کا دشمن ہے۔ ورنہ بیوقوف بھی سمجھ سکتا ہے۔ کہ یہ الفاظ بمعنی مجاز استعمال ہوئے ہیں۔ نہ بمعنی حقیقت اگر ان کا استعمال بمعنی حقیقت تصور کیا جائے۔ تو کافی ج۲ کتاب اول ص۲۲۴ پر جو یہ احادیث بزبانی ائمہ کرام درج ہیں۔ "ناکح الیدین ملعون" و "ملعون من نکح بھیمۃ" کیا ان کی رو سے مشت زنی اور حیوان بازی ہیں بھی نکاح بمعنی حقیقت ہیں۔ کیا معترض صاحب ازراہ کرم بتلا سکتے ہیں کہ مشت زنی میں کون صدر المفسرین اور حیوان بازی میں کون زبدۃ الواعظین صیغہ نکاح پڑھاتے ہیں۔

**زنا کا پانی سے نکاح ہو جانا** ہماری کتابوں سے تو ممتوعہ کو زوجہ ثابت کرنے کی کوشش کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی



کیونکہ ہم تو **قرآنی زوجہ** کو ہی زوجہ کہتے ہیں جس میں لوازمات زوجیت حسب تصریح قرآن مجید بدرجہ اتم موجود ہوں۔ البتہ "اسد اللہی زوجہ" بڑی آسانی سے ثابت کی جا سکتی ہے۔ کیونکہ جہاں (بقول شیعہ) حضرت علی رضہ کو غروب ہوتے ہوئے آفتاب کی طنابیں کھینچ کر اُسے واپس لے آنے کی طاقت تھی وہاں انہیں یہ پیغمبری حق بھی حاصل تھا کہ حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر دیں۔ اگر یہ زرارہ و ہشام اینڈ کو کے کارخانۂ افترا کی ایجاد نہ ہو تو اپنے اسی حق کو استعمال کر کے حضرت علی رضہ نے مطلق زنا کو نکاح قرار دیدیا تھا۔ روایت ہے۔ قال ابی عبد اللہ جاءت امراۃ الی عمر فقالت انی زنیت فطہرنی فامر بہا ان ترجم...... فقال امیر المؤمنین تذویج ورب الکعبۃ (فروع کافی ج۲ ص۱۹۸)

یعنی امام جعفر ع نے فرمایا کہ ایک عورت (حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ) کے پاس آئی اور کہا کہ میں نے زنا کیا ہے۔ مجھے پاک کیا جاوے۔ تو آپ نے حکم دیا کہ اسے سنگسار کر دو۔ حضرت علی رضہ کو اس کی خبر مل گئی تو آپ نے اس عورت سے پوچھا کہ تو نے کس طرح زنا کیا ہے وہ بولی کہ میں جنگل میں جا رہی تھی مجھے سخت پیاس لگی میں نے ایک اعرابی سے پانی مانگا۔ اس نے اس شرط پر پانی دینے پر رضامندی ظاہر کی کہ میں اپنے نفس پر اس کو قدرت دوں۔ چونکہ پیاس کی شدت زیادہ تھی۔ میں نے اپنے نفس پر اس کو قدرت دیدی تو امیر المومنین رضہ نے فرمایا کہ مجھے قسم ہے رب الکعبہ کی کہ یہ نکاح ہی ہے۔

**دلیل سوم**۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ فان خفتم الا تعدلوا فواحدۃ او ما ملکت ایمانکم (ترجمہ) اگر تمہیں خوف ہو کہ (ایک سے زیادہ عورتوں میں) انصاف نہ کر سکو گے تو ایک ہی عورت پر قناعت کرو) یا لونڈیاں (کافی ہیں) اس جگہ چونکہ اللہ تعالیٰ نے بخوف اسقاط عدل ایک منکوحہ عورت کرنے یا صرف لونڈیاں رکھنے کا حکم دیکر خاموشی اختیار کی ہے۔ اور کسی تیسری قسم کی مقاربت کا ذکر نہیں کیا جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے۔ کہ اُن کے سوائے اور کسی قسم کی مجامعت شرع میں جائز نہیں ہے۔ حالانکہ یہ مقام اس امر کا مقتضی تھا۔ کہ وہ تمام

صورتیں نہیں ذکر کی جاتیں کہ جن میں ناانصافی محال الوقوع ہے۔ ممنوعات کا ذکر اس جگہ اشد ترین ضروری تھا کیونکہ یہی ایک صورت ایسی ہے کہ جس میں ناانصافی ناممکن الوقوع ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ ممتوعہ عورت کا بعد وصولیٔ معاوضہ جو اسے ہر حالت میں پیشگی دیا جاتا بحر الذا متعہ سے ہے اور کسی قسم کا حق مرد پر باقی نہیں رہتا اور جہاں کوئی حق نہ ہو وہاں حق تلفی بے معنی چیز ہے۔ حالانکہ اس کے برعکس ایک ہی منکوحہ عورت یا لونڈیوں کی صورت میں بھی انکے کچھ نہ کچھ حقوق بذمہ شوہر واجب ہوتے ہیں۔ جن کے ترک کرنے سے شوہر پر ظلم کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ پھر اس آیت کا آخری حصہ "ذلك ادنى الا تعولوا" بالخصوص قابل توجہ ہے جسکے معنی یہ ہیں۔ یہ (صورت) قریب ترین ہے۔ کہ تم ناانصافی سے بچو یعنی اس کے سوائے اور کوئی بہترین تدبیر ناانصافی سے بچنے کے لئے نہیں ہے "ذلك" کا مشارٌ الیہ ذکر ماقبل ہے جس میں دو صورتیں مذکور ہیں۔ یعنی عورت سے نکاح کرنا اور لونڈی سے مقاربت کرنا۔ پس اندریں صورت سب سے مقدم ذکر اس جگہ زن ممتوعہ کا تھا نہ کہ لونڈی کا۔ بہ معنی خیز سکوت اللہ پاک نے اسی جگہ ہی اختیار نہیں کیا۔ بلکہ قرآن مجید میں نکاح کے احکام جس جس جگہ پر آئے ہیں۔ وہاں منکوحات کے علاوہ صرف لونڈیوں کا ہی ذکر ہے۔ اور بس۔ چنانچہ ملاحظہ ہو۔

(۱) حرمت علیکم امھتکم..... والمحصنت من النساء الا ما ملکت ایمانکم ﴿نساء﴾
(ترجمہ) حرام کی ہیں واسطے نکاح کے تمپر..... دوسروں کی منکوحات سوائے وہ جو تمہاری لونڈیاں ہو جائیں۔

(۲) یایھا النبی انا احللنا لك ازواجك التی اتیت اجورھن وما ملکت یمینك ﴿احزاب﴾
(ترجمہ اے پیغمبر ہمنے حلال کیں ہیں تمہارے لئے تمہاری بیویاں جن کے تم نے مہر دیئے ہیں اور تمہاری لونڈیاں اس جگہ پر اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کے ساتھ ایک خاص رعایت کرنا چاہتا ہے۔ چنانچہ متذکرہ آیت کے قریب ہی اس کا ذکر با ایں الفاظ کیا گیا ہے۔ جو نمبر ۳ میں درج ہے۔

(۳) وامراۃ مومنۃ ان وھبت نفسھا للنبی ان اراد النبی ان یستنکحھا خالصۃ



لك من دون المؤمنین (ترجمہ) حلال ہے تمپر) اگر کوئی مسلمان عورت (مفت) اپنے تئیں پیغمبر کو دیدے (یعنی بغیر مہر کے نکاح کرنا چاہے) بشرطیکہ وہ بھی اس کو نکاح میں لینا چاہیں (یہ بات) خاص تمہارے ہی لئے ہے۔ عام مسلمانوں کے لئے نہیں یہاں بھی اللہ پاک اپنے محبوب کو سوائے منکوحات اور لونڈیوں کے تیسری قسم کی عورت عطا نہیں کرتا اگر کچھ رعایت کی ہے تو صرف اس امر میں کہ آنجناب بغیر مہر کے مومنہ عورتیں اپنے نکاح میں لے آویں۔ اگر متعہ ایسا ہی ثواب کا کام ہوتا جیسا کہ شیعہ کتب میں اس کی تعریف میں ورقوں کے ورق سیاہ کئے ہوئے ہیں تو نبی کریمؐ سے باری تعالیٰ کو کون زیادہ محبوب و مرغوب تھا۔ کہ جس کیلئے یہ نعمت اٹھا رکھی تھی۔

**اعتراض** اس آیت میں ایک ہی منکوحہ یا لونڈی کا ذکر کے جو سکوت اللہ تعالیٰ نے اختیار کیا ہے۔ اس سے لازماً یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ زن ممتوعہ درست نہیں ہے۔ علاوہ ازیں اس آیت میں ذکر اُن عورتوں کا ہے جن پر انتظام خانہ داری کا موقوف ہے۔ اور وہ یا زوجہ ہوتی ہے یا لونڈی اور زن ممتوعہ نہیں ہوتی بلکہ اس سے فقط رفع حاجت منظور ہوتی ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر یہاں نہیں کیا (تنبیہ المنکرین)

**جواب** یہ غلط ہے۔ کہ خداوند کریم نے اسی جگہ ہی سکوت اختیار کیا ہے بلکہ قرآن مجید میں جہاں جہاں نکاح کے احکامات درج ہیں وہاں زوجہ اور لونڈیوں کے علاوہ کسی تیسری صنف کا ذکر ہی نہیں ہے جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ چونکہ زن ممتوعہ سے کف دشت زن، کا کام لیا جاتا ہے اس لئے نہ صرف اس جگہ ہی بلکہ کسی اور جگہ بھی اس بدنصیب آلۂ اخراج منی کا ذکر خداوند عزوجل نے نہیں کیا۔ جب قرآن مجید کی آیات ایک دوسری کی مفسر ہیں۔ تو کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ کہ ایک طرف تو اللہ پاک نے متعہ کے حکم کو صرف ایک ہی جگہ اور وہ بھی نہایت ہی دبی زبان سے ادا کیا ہے۔ اور دوسری طرف دیگر مقامات پر ایسی آیات بیان فرما دی ہیں جن سے صراحتاً وکنایۃً اس حکم کی بلاواسطہ یا بالواسطہ تردید و تکذیب ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جب

وہ احکامات بھی جو محض اضطراری حالات میں جواز کا حکم رکھتے ہیں۔ مثلاً فمن اضطر فی مخمصۃ غیر متجانف لاثم۔ اور جن سے لاکھ میں سے ایک آدھ مسلمان کو صد سالہ زندگی میں ایک بار نہیں تو دو بار یا لکراہۃ مستفید ہونے کا موقعہ ملتا ہے۔ متعدد آیات کے ذریعہ سے اظہر من الشمس کر دیئے ہیں۔ تو یہ کس طرح ممکن ہے کہ وہ ذات علیم ایک ایسے اہم قانون کا جس کا اطلاق (بقول شیعہ) کم و بیش ہر مسلمان متنفس پر معمولی حالت میں ہو سکتا ہے۔ صرف ایک اور ایک ہی محدود جگہ پر اور پھر نہایت ہی حجابانہ طور پر ذکر کرے۔ علاوہ ازیں چونکہ صاحب تنبیہ المنکرین خود تسلیم کرتا ہے۔ کہ عقد متعہ فقط اقتضائے شہوت کی نیت سے کیا جاتا ہے۔ "اور زن متوعہ سے فقط رفع حاجت منظور ہوتی ہے" تو مدعی کے اپنے اقبال کے مطابق یہ عقد ایسا نہیں کہ جس پر "غیر مسافحین" کا اطلاق ہو سکے لہذا یہ عقد متعہ عقد قرآنی کے ان جملہ احکامات کے احاطہ سے خارج ہے۔ کہ جن پر باریتعالیٰ نے "احصان" اور "عدم اسفاح" کی قید لازماً مقرر فرمائی ہوئی ہے۔ وگرنہ مجوزین متعہ ایک ایسا حکم قرآن سے نکال کر دکھا دیں۔ جو ان قیود سے خالی ہو لفظ "اسفاح" کے لغوی و اصطلاحی معانی پر اگر غور کیا جائے۔ تو اس کا مطلب سوائے قضائے شہوت کے اور کچھ ہوتا ہی نہیں۔ اور چونکہ بقول صاحب تنبیہ المنکرین عقد متعہ سے بھی مقصود قضائے شہوت ہی ہے۔ اس لئے عقد متعہ قرآنی عقد نہیں قرار دیا جا سکتا۔ بلکہ یہ خالص زنا ہے۔

**دلیل چہارم**۔ خداوند کریم اپنے قرآن حمید میں فرماتا ہے۔ "ولیستعفف الذین لا یجدون نکاحاً حتیٰ یغنیھم اللہ من فضلہٖ" سورۃ مومنون (ترجمہ) اور جو لوگ نکاح کرنے کا مقدور نہیں رکھتے۔ ان کو چاہیئے کہ ضبط کریں۔ یہاں تک کہ اللہ ان کو اپنے فضل سے غنی کر دیوے۔ اگر متعہ جائز ہوتا تو سب سے بہتر موقعہ اس کے جواز کا اس مقام پر تھا۔ مگر جناب باری نے ایسے لوگوں کو جن کو ضرورت نفس تو ہے۔ مگر نکاح کا مقدور نہیں صرف صبر کرنے کی تلقین کی ہے۔ متعہ جائز ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ غریب لوگ



اپنی خواہشات بشری کو روکے رکھیں۔ یہاں تک کہ اللہ ان کو اس قدر فارغ البال کر دے کہ وہ بھی دوسروں کی طرح حظوظ نفس سے بہرہ اندوز ہو سکیں۔ بے معنی ہو جاتا ہے خصوصاً جب ایک مٹھی بھر جو یا ایک لقمہ طعام ایسی قلیل القیمت چیز سے زن متوعہ کے ساتھ عیش اڑائے جا سکتے ہیں۔ تو ان لوگوں کو جو نکاح کے اخراجات کے متحمل ہونے کی استعداد نہیں رکھتے خواہ مخواہ اس سہل الحصول اور کثیر الثواب چیز کے استفادہ سے کیوں محروم کیا گیا ہے؟

**دلیل پنجم**۔ ایک اور جگہ پر خدائے عزوجل فرماتا ہے۔ ومن لم یستطع طولاً ان ینکح المحصنت المؤمنات فمن ما ملکت ایمانکم من فتیاتکم المؤمنات...... ذالک لمن خشی العنت منکم وان تصبروا خیرا لکم (ترجمہ) تم میں سے جن کو مسلمان آزاد عورتوں سے نکاح کرنے کی توفیق نہیں ہے وہ مسلمان لونڈیوں سے نکاح کر لیں مگر ان کے مالکوں کی اجازت سے۔ بشرطیکہ قید نکاح میں لائی جائیں۔ نہ کہ تم سے بازاری عورتوں یا خانگیوں والا تعلق رکھنا چاہیں...... یہ نکاح ہمراہ لونڈی کے اسی کے لئے ہے جسے گناہ کر بیٹھنے کا خوف ہو۔ اور اگر صبر کرو تو تمہارے لئے بہتر ہے۔ دلیل چہارم میں جو آیت نقل کی گئی ہے۔ اس میں تو یہی حکم تھا۔ کہ اگر کسی مسلمان مرد کو آزاد مسلمان عورت کے ساتھ نکاح کرنے کی توفیق نہ ہو تو وہ اس وقت تک صبر کرے۔ جب تک اللہ تعالیٰ اسے نکاح کرنے کی استطاعت عطا نہ کر دے۔ مگر اس آیت میں قدرے رعایت کا پہلو مد نظر رکھا گیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اگر وہ مسلمان آزاد عورت سے نکاح نہ کرے تو مسلمان لونڈی سے ہی نکاح کر لیوے۔ لیکن وہ بھی صرف اس حالت میں جب کہ وہ یہ سمجھے کہ اس کا کاسۂ صبر لبریز ہو چکا ہے۔ اور اس سے زیادہ اگر وہ صبر سے کام لے گا۔ تو یقیناً اس سے ارتکاب گناہ صادر ہو گا۔ اگر متعہ بھی ایک جائز فعل ہوتا تو اس قدر صبر و ضبط کی تلقین کیا معنی رکھتی ہے؟ خصوصاً جب کہ

عقد متعہ نکاح کنیز سے کہیں زیادہ آسان ہے۔ چونکہ نکاح کنیز میں اگرچہ مہر کی کچھ تخفیف ہے مگر بار نفقہ سے سبکدوشی نہیں ہو سکتی۔ اور متعہ میں تو مٹھی دو مٹھی جو اور گیہوں پر مہینوں پر مہینوں کے لئے قصّہ پاک ہو جاتا ہے۔ اگر ایسے اضطرار کی حالت میں بھی کہ جس کا نقشہ "ذٰلک لمن خشی العنت منکم" میں کھینچا گیا ہے۔ پروردگار عالم نے متعہ کا حکم نہیں دیا بلکہ لونڈی کے ساتھ نکاح کو جائز قرار دینے کے بعد بھی "وان تصبروا خیرٌ لکم" کا حکم صادر فرما دیا ہے۔ تو سمجھ میں نہیں آتا کہ "یہ شرعی زنا" آخر خدائے پاک نے کس وقت اور کس شخص کے لئے مخصوص کر رکھا ہے۔ رسول کریم ؐ کو اس سے بہرہ اندوز ہونے کی اجازت نہیں فرمائی۔ غربا کو عین اس وقت بھی جبکہ انہیں زنا جیسے قبیح گناہ کر بیٹھنے کا خوف لاحق ہو۔ اس سے ہم خرما و ہم ثواب کا لذت آشنا نہیں ہونے دیا۔ تو پھر کیا عیاش امیروں رئیسوں اور نوابوں کی جدت پسند شہوت رانی کے نہ سیر ہونے والے چسکے کی استمالت کے لئے یہ خوان یوقلمونی مہیا کیا گیا ہے۔

**اعتراض** ۔ یہ آیت فقط نکاح دائمی کے لئے نہیں ہے بلکہ نکاح اور متعہ دونوں پر مشتمل ہے کیونکہ متعہ بھی نکاح ہی ہے۔ گو عارضی ہوتا ہے۔ اور چونکہ اللہ تعالےٰ نے نکاح دائمی کا حکم "واحل لکم ما وراء ذٰلکم الخ" میں فرمایا ہے۔ اور نکاح منقطع کا آیت "فما استمتعتم بہ منھن الخ" میں۔ اور نیز چونکہ مہر عورت آزاد و مست کو خواہ دائمی اور منقطع کا بہت ہوتا تھا۔ جو اکثر لوگ بوجہ تنگدستی ادا کرنے کی استطاعت نہ رکھتے تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کی آسانی کے لئے نکاح لونڈی کا دائمی و منقطع جائز فرما دیا۔

**جواب** شیعوں کے اعتقاد کے مطابق اگر کوئی آیت اباحت متعہ میں نازل ہوئی ہے۔ تو وہ آیت "فما استمتعتم بہ الخ" ہی ہے اور اس آیت زیب عنوان میں نکاح کا لفظ متعہ پر استعمال نہیں کیا گیا۔ اس لئے متعہ کو کھینچ تان کر نکاح کی تحت میں لانا قرآن سے استہزا ہے۔ اور اگر اس جگہ نکاح کو بقول شیعہ محیط متعہ تصور کیا جائے



تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ اور جگہوں پر اس کے یہی معنی نہ لئے جائیں۔ اگر آیت "فانکحوا ما طاب لکم الخ" میں بھی نکاح محیط متعہ ہے تو چار ممتوعہ عورتوں سے زیادہ کے ساتھ عقد متعہ ناجائز ہونا چاہیئے۔ حالانکہ شیعہ عقائد کے مطابق "ممتوحات کی تعداد لا انتہا ہے" (تنبیہ المنکرین صہ ۲۷) اور نیز کتاب اعتقادات ابن بابویہ کے باب النکاح میں نکاح کو متعہ سے بالکل ہی علیحدہ ذریعہ حلت النسا سمجھا گیا ہے۔ چنانچہ مرقوم ہے۔ "اسباب حل المرأۃ عندنا اربعۃ النکاح و ملک الیمین والمتعۃ والتحلیل الخ" (ترجمہ) عورتوں کی حلت کے اسباب ہمارے نزدیک چار نکاح قبضہ ملکیت (لونڈیاں) متعہ اور تحلیل ہیں۔ اور پھر فروع کافی جلد ۲ کتاب اول کے صفحہ ۱۹۱ پر بروایت زرارہ بن اعین سے مروی ہے۔ "قلنا ما یحل من المتعۃ قال کم شئت" (ترجمہ) میں نے کہا متعہ کے عورتوں سے درست ہے تو امام صاحب نے فرمایا جس قدر سے کرنا چاہو۔ پس نتیجہ یہ نکلا کہ یا تو نکاح کا اطلاق متعہ پر نہیں ہوتا یا ممتوحات کی لاتعدادی محض عیاشی کی خاطر وضع کی گئی ہے۔ صاحب عجالہ نافعہ اس تناقض کی اصلاح فرمائیں۔ اندریں صورت جب عقد متعہ میں ایک بھی شرط عقد نکاح کی نہیں پائی جاتی یعنی نہ قید تعداد منزوجات نہ طلاق و عدّت شرعیہ اور نہ نفقہ و وراثت تو پھر خواہ مخواہ اس پر نکاح کا اطلاق کرنا زید کی پگڑی بکر کے سر رکھنے والی بات نہیں تو کیا ہے۔ جس حالت میں زن ممتوعہ کا مہر کم از کم ایک مٹھی جو یا ایک کف طعام ہو سکتا ہے۔ تو پھر یہ کہنا کہ مہر آزاد زن ممتوعہ کا زیادہ ہوتا تھا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے نکاح دائمی یا منقطع ہمراہ لونڈی کے تنگدستوں کی سہولیت کے لئے جائز قرار دیدیا تھا۔ کہ اس کا مہر مقابلتہً کم ہوتا ہے۔ سراسر شاشیدن کے برابر ہے۔

**دلیل ششم** قرآن کریم میں جہاں اللہ پاک عورتوں کے ساتھ مجامعت کی تحلیل کا ذکر کرتا ہے۔ وہاں لازماً اس تحلیل کو "محصنین غیر مسافحین" کی شرائط سے مقید کرتا ہے۔ چنانچہ ارشاد باریتعالیٰ ہے۔

(الف) واحل لکم ما وراء ذلکم ...... غیر مسافحین (سورۃ النساء)

(ب) فانکحوھن باذن اھلھن ...... محصنٰت غیر مسافحٰت (سورۃ النساء)

(ج) احل لکم ..... محصنٰت من المؤمنٰت ..... محصنین غیر مسافحین

(سورہ مائدہ) ان آیات میں الفاظ "احصان" و "اسفاح" خاص طور پر غور کرنے کے قابل ہیں۔ "احصان" کے لغوی معنی ہیں حفاظت خواہ حفاظت الجسم یعنی حفاظت البدن من الجراحت ہو یا حفاظت العصمت یعنی حفاظت الفرج من الفساد۔ مقدم الذکر کی مثال قرآن حکیم میں "وعلمناہ صنعۃ لبوس لکم لتحصنکم من بأسکم" (ترجمہ) ہم نے انہیں زرہ کی صنعت سکھلائی تاکہ ضرر سے محفوظ رہیں (پ ۱۷ ع ۶) اور مؤخر الذکر کی مثال "والتی احصنت فرجھا" پ ۱۷ غ ۶ ہے۔ بلکہ منکوحہ عورت کو محصنت ہی کہا گیا ہے قولہ تعالیٰ "والمحصنٰت من النساء الا ما ملکت" (ترجمہ) اور منکوحہ عورتیں (حرام ہیں) سوائے ان کے جو تمہاری مملوکہ ہو جائیں۔ کیونکہ نکاح کے سوا حفاظت الفرج من الفساد ہو ہی نہیں سکتی۔ "اسفاح" کے لغوی معنی ہیں سیال چیز کا گرانا بہانا یا پھینکنا جیسا کہ قرآن کریم کی اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے۔ "او دما مسفوحا" (ترجمہ) یا بہنے والا خون۔ پس اسفاح بالکل زنا کے مترادف ہے۔ کیونکہ الزناء سفاحا لان لاغرض الزانی الا سفح النطفۃ (ترجمہ) زنا اسفاح ہی ہے۔ کیونکہ زانی کی غرض سوائے پانی نکالنے کے اور ہوتی ہی نہیں۔ علاوہ ازیں کافی جلد ۲ کتاب اول کے صفحہ ۲۵۱ پر اور "الفرق بین النکاح والسفاح والزناء" کے عنوان کے تحت میں زنا کو اسفاح ہی کہا گیا ہے۔ "کل زنا سفاح ولیس کل سفاح زنا لان معنی الزنا فعل حرام من کل جھتہ لیس فیہ شئ من وجہ الحلال واما معنی السفاح الذی ھو من وجہ النکاح مشوب بالحرام یعنی نکاح حرام فسق الی الحلال نظیر الذی یتزوج ذوات المحارم التی ذکر اللہ فی کتابہ والذی یتزوج المحصنۃ التی لھا زوج



یعلمہ" (ترجمہ) ہر ایک زنا اسفاح ہے۔ مگر ہر ایک اسفاح زنا نہیں ہے۔ زناہ کا معنی وہ فعل حرام ہے جس میں کوئی وجہ حلال کی نہ ہو۔ اور ہر طرح سے حرام ہی حرام ہو۔ لیکن اسفاح ایک قسم کا نکاح حرام ہے۔ اور مثال اس کی ایسی ہے جیسے کوئی شخص ان محرمات سے نکاح کرے جن کا ذکر اللہ نے قرآن میں کیا ہے یا دیدہ و دانستہ شوہر والی منکوحہ عورت سے نکاح کرے وغیرہم۔ یہ صرف لفظی فرق ہے۔ عملاً زنا اور اسفاح میں کوئی فرق نہیں ہے۔ بلکہ ایک طرح سے "اسفاح" زنا سے بھی بدتر ہے۔ کیونکہ اس میں محرمات ابدیہ یعنی ماں بہن سے نکاح حرام بھی شامل ہے۔ ان معانی کے لحاظ سے محصنین مترادف ہے متزوجین کا اور مسافحین مترادف ہے زانین کا۔ اور بعینہ انہیں معنوں میں یہ الفاظ شیعوں کی کتب احادیث میں استعمال ہوئے ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ مرد و زن کی مقاربت میں کونسی صورت ایسی ہے جس پر "احصان" اور عدم "اسفاح" کا اطلاق ہو سکتا ہے؟ یہ صورت وہیں حاصل ہو سکتی ہے جہاں مرد عورت کو خالصۃً اپنے لیے مخصوص کرلے اور اس کی نیت ایسا کرنے سے حصول اولاد اور حمایت ناموس ہو۔ اور یہی ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ "نساؤکم حرث لکم" (ترجمہ) تمہاری عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں یعنی ان سے اولاد کی پیداواری مقصود ہے۔ اور "ھن لباس لکم" (ترجمہ) تمہاری عورتیں تمہارا لباس ہیں یعنی تمہارے ناموس کی محافظ ہیں۔ پس زنان متعہ میں "احصان" تو یقیناً نہیں ہوتا اور "اسفاح" تو ایک بدیہی امر ہے۔ کیونکہ متعہ کی غرض غایت ہی پانی نکالنا ہے نہ کہ انتظام خانہ داری۔ اخذ ولد یا حمایت ناموس۔ آیات محولہ بالا سے جب یہ بات بھی اظہر من الشمس ہے کہ عین نکاح کرنے کی حالت میں بھی کہ جس کی غرض و غایت ہی بقائے نسل انسانی و حمایت ناموس ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بالخصوص یہ تاکید فرمائی ہے۔ کہ نکاح میں بھی تمہاری نیت "احصان" کی ہو نہ کہ "اسفاح" کی۔ تو یہ کیس طرح ممکن ہے کہ خداوند علیم نے متعہ کو بھی حلال کیا ہو جس میں "احصان" ایسے ہی

مفقود ہے جیسے گدھے کے سر سے سینگ اور "اسفاح" اسی طرح موجود ہے جس طرح رنڈی کے سر پر شہوت کا بھوت۔

**اعتراض نمبر ۱** "محصنین غیر مسافحین" مبطل المتعہ نہیں ہے کیونکہ "احصان" کے معنی لغات عربیہ میں عفت کے لکھے ہیں۔ اور یہ نکاح دائمی اور متعہ ہر دو میں واجب ہے البتہ "اسفاح" کا اطلاق متعہ پر نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ متعہ فعل شرعی ہے۔

**جواب** اس میں شک نہیں ہے کہ "احصان" کے لغوی معنی عفت کے بھی ہیں لیکن شرعی اصطلاح میں یہ نکاح کا مترادف ہے۔ اور اس پر فریقین کی کتب احادیث متفق ہیں چنانچہ کافی جلد ۳ جزو اول کی کتاب الحدود میں بیشمار مثالیں اس کی موجود ہیں مثلاً "فاما المحصن والمحصنة فعليها الرجم" (ترجمہ) زوج اور زوجہ کے لئے حد رجم ہے۔ اگر زن متوعہ کو شرعی طور پر "محصنہ" کہا جا سکتا ہے۔ تو اس حدیث کے مطابق اس پر بھی حد رجم لازم آنی چاہیے حالانکہ بموجب حدیث "قلت والمرأة المتعة قال فقال لا" (ترجمہ) میں نے پوچھا کیا متوعہ محصنہ ہے تو امام ؑ نے فرمایا کہ نہیں (ایسی عورت حد رجم سے خارج ہے۔) اور اسی طرح مرد متعہ کرنیوالا بھی موافق حدیث "فان قلت فان كانت عنده امرأة متعة المحصنة قال لا" (ترجمہ) میں نے پوچھا اگر مرد کے پاس زن متوعہ ہو تو وہ محصن ہے۔ تو امام نے کہا کہ نہیں (بلکہ رجم سے خارج ہے۔) ہر کتاب حدیث کے باب الحدود میں نکاح کرنیوالے کو "رجل المحصن" اور نکاح کرنیوالی کو "مرأة المحصنة" کہا گیا ہے۔ اس قدر بین سند کے ہوتے ہوئے بھی اگر فریق مخالف "احصان" کو عقد متعہ پر استعمال کرے۔ تو ؏

**بریں عقل و دانش بباید گریست**

"احصان" کا اطلاق تو ہی سکتا ہے۔ دائمی اور مستقل چیز پر جیسا کہ امام جعفر صادق کی زبانی کافی جلد سوئم جزو اول کے صفحہ ۹۹ پر یہ روایت درج ہے "انما ذلک



على الشئ الدائم" (ترجمہ) احصان کا اطلاق بالتحقیق دائمی چیز پر ہو سکتا ہے۔ اور یہ جو کہا گیا کہ "اسفاح کا اطلاق متعہ پر نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ متعہ فعل شرعی ہے" عجیب احمقانہ فقرہ ہے امر متنازعہ تو یہی ہے۔ کہ متعہ فعل شرعی ہے یا نہیں اور امر متنازعہ کو امر مسلمہ مان لینا کہاں کی منطق ہے۔ "گو عبارت محولہ بالا سے قطعی طور پر ثابت کیا گیا ہے۔ کہ "احصان" کے معنی "تزویج بالتخصیص" کے ہیں لیکن صاحب ضربت حیدریہ جلد اول کے صفحہ ۸۵ میں لکھتے ہیں "چہ احصان بنا بر تصریح مفسران بمعنی عفاف است نہ بمعنی تخصیص"۔ اگرچہ معنی تخصیص کی نفی محض جہل یا مبنی بر تجاہل ہے۔ مگر آپ کے مسلمہ معنی کی رو سے بھی بطلان متعہ واضح ہے۔ کیونکہ جب حاجت انسان کے ساتھ مثل بھوک اور پیاس کے لگی ہوئی ہے تو ہمیشہ کے لئے وہ مثل تحصیل اکل و شرب تحصیل عفت کا بھی مکلف ہے۔ اور عفت دائمی بلا عقد دائمی کے متصور نہیں۔ کیونکہ عقد موقت کی صورت میں تعفف بھی موقت ہی ہوگا۔ تکلیف تعفف کو کسی وقت معین کے ساتھ مقید و مخصوص کرنا بداہت عقل باطل ہے۔ کتب لغت ہدایہ اور صراح میں احصان کے معنی چار قسم کے بیان کئے گئے ہیں اسلام حریت۔ عفت اور تزویج۔ لیکن ان چاروں معانی کے اندر ممانعت کا مفہوم مضمر ہے۔ کیونکہ اسلام مانع معبودیت غیر اللہ ہے۔ اور حریت مانع حکومت غیر ہے۔ اور عفت مانع فساد الفرج ہے۔ اور تزویج مانع مجامعت ہمراہ غیر شوہر ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے۔ کہ ان معانی مختلفہ میں کون سے معنی آیۂ تحلیل نکاح کے مناسب ہیں۔ احصان کے معنی اسلام کے اس جگہ مناسب نہیں ہیں۔ کیونکہ اول تو اس آیت میں مخاطب ہی مسلمان ہیں اور دوسرے اس آیت کے معنی یہ ہونگے کہ حلال کی گئی ہیں تمہارے لئے عورتیں اس حال میں کہ تم اسلام لانیوالے ہو۔ اور یہ بے معنی محض ہے۔ حریت بھی مراد نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ یہ آیت غلاموں کے لئے بھی نکاح کی اجازت دیتی ہے اب لامحالہ اس سے مراد یا تو عفت ہوگی یا تزویج بصورت اول یہ خرابی ہے کہ حال و ذوالحال کا زمانہ واحد ہونا چاہیے

اور عفاف بعد نکاح حاصل ہوتا ہے۔ نہ مع النکاح اور علاوہ اس کے غیر مسافحین کا حاصل بھی تو وہی تعفف ہے۔ پس یہ تکرار لغو محض ہو پس جب یہ تینوں معانی خارج از بحث ہو گئے تو لامحالہ چوتھے معنی ہی شرعاً مراد ہیں۔ لہٰذا آیت کریمہ کے معنی یہ ہوئے کہ تمہارے لئے عورتیں حلال کی گئی ہیں بایں شرط کہ تم ان کو زوجہ بنانے والے اور اپنے لئے مختص کرنیوالے ہو نہ صرف اپنی مستی نکالنے والے اور اپنی وقتی حاجت پوری کرنیوالے" اس معنی کی تائید لفظ "محصن" سے بھی ہوتی ہے جو متذکرۃ الصدر آیہ کریمہ کے بعد والی آیت میں واقع ہے جس میں احصان کے معنی سوائے تزویج کے اور کچھ ہو نہیں سکتے۔ پس یہ لفظ آیۂ سابقہ کا مفسر و موضح ہے۔ نیز آیۂ کریمۃ "الا علی ازواجھم" حلت وطی ازواج کے ساتھ مخصوص کرنا مفید معنی تزویج ہے بلکہ تحلیل نساء کو منحصر فی التزویج کرتا ہے۔

ایک اور طریقہ سے بھی احصان کے معنی تزویج ہی ثابت ہوتے ہیں۔ آیہ "فانکحوھن باذن اھلھن .... محصنٰت غیر مسافحٰت" میں نکاح مملوکہ کو بلفظ احصان تعبیر کیا گیا ہے اور اسی پر آیت "فعلیہن نصف ما علی المحصنٰت من العذاب" میں احکام حدود کو متفرع کیا گیا ہے۔ اور یہ احکام بجز نکاح موبد کے اور کسی پر بالاتفاق ثابت نہیں آتے۔ پس حلت وطی حرائر کو آیۂ کریمہ "واحل لکم" میں اسی نکاح پر حمل کرنا ضروری ہے۔

**اعتراض نمبر ۲** اگر متعہ محض اس لئے ناجائز تصور کیا جاتا ہے۔ کہ اس سے مقصود فقط رفعِ حاجتِ شہوانی ہے۔ نہ کہ اخذ ولد و تنظیم امور خانہ داری تو جو لوگ نکاحِ دائمی بھی اسی غرض سے کرتے ہیں۔ ان کے نکاح اور متعہ میں کیا فرق ہے۔ اگر وہ جائز ہے۔ تو متعہ بھی جائز ہونا چاہئے (تنبیہ المنکرین و برہان المتعہ)

**جواب** نکاح چونکہ ایک شرعی فعل بموجب حکم اللہ تعالیٰ کے ہے۔ اس لئے اگر عقد نکاح کے تمام مراسم ظاہریہ ادا کر دئے جائیں۔ تو نکاح خواہ کسی نیت سے کیا جائے شرعاً



جائز ہوگا۔ لیکن اگر فریقین نکاح کوئی ایسی نیت دل میں مخفی رکھیں جو شرعی مقاصد نکاح کے مخالف ہو تو وہ عند اللہ گنہگار ہونگے۔ لیکن ان کا یہ گناہ کسی صورت میں بھی نکاح کو باطل یا فاسد نہیں کر سکتا[1]۔ اگر کوئی شخص ایک ایسی چیز کو جو بنفسہ جائز ہے۔ ناجائز نیت سے استعمال کرے۔ تو یہ ناجائز نیت اس جائز چیز کو ناجائز نہیں بنا سکتی۔ لیکن اس کے برعکس اگر کوئی چیز بنفسہ ناجائز ہے۔ تو خواہ اس پر اس کی ہم جنس جائز چیز کے کل مراسم ظاہریہ استعمال کئے جائیں مگر وہ ناجائز چیز جائز نہیں ہو سکتی۔ مثلاً خنزیر کو اگر تکبیر پڑھکر حلال کیا جائے۔ تو خنزیر حرام ہی رہیگا۔ شرع چونکہ ظاہر ہے۔ اسلئے اگر ظاہری لوازمات شرعی کسی حلال چیز کے پورے کر دیے جائیں۔ تو وہ چیز جائز ہے باقی رہا سوال نیت کا سو اس کا تعلق خدا سے ہے۔

علاوہ اختلاف متذکرۃ الصدر کے عارضی نیت کے نکاح اور متعہ میں ایک اور بین فرق ہے یعنی اگر نکاح کے بعد مجامعت کرتے ہی عورت حاملہ ہو جائے۔ تو گو خاوند اسے فوراً ہی طلاق دیدے پھر بھی اس کا بچہ اپنے باپ کی جائداد کا شرعی وارث ہوگا۔ اور عورت مطلقہ وضع حمل تک نان و نفقہ کی حقدار ہوگی۔ اور نیز اگر نکاح کے بعد فریقین نکاح میں سے ایک فریق فوراً ہی فوت ہو جائے۔ تو دوسرا فریق اس کی جائداد کا وارث ہوگا۔ اور یہ دونوں باتیں عقد متعہ میں نہیں ہیں۔ یعنی نہ تو ولد المتعہ ہی اپنے زانی باپ کی جائداد کا وارث ہو سکتا ہے۔ اور نہ ہی فریقین متعہ ایک دوسرے کے وارث ہو سکتے ہیں۔ "لیس بینہما میراث" (کافی جلد ۲ ص ۱۹۴) پس ظاہر ہے کہ نکاح کے مراسم ظاہریہ اگر مطابق احکام شرعی ادا ہو جائیں۔ تو وہ نکاح کبھی زنا کی فہرست میں شامل نہیں کیا جا سکتا۔ مگر اس کے برعکس متعہ کے مراسم ظاہریہ چونکہ

[1] میعادی نکاح کی مخفی نیت باوجود تحقق ارکان و شرائط عقد فاسد النکاح نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ باقر مجلسی رسالہ فقہ کی کتاب النکاح میں لکھتے ہیں "اگر ذکر مدت نشود متعہ نکاح دائم میگردد۔ بر قول شیخ ابو جعفر طوسی و شیخ ابو القاسم"

بعینہ مطابق مراسم زنا کے ہوتے ہیں) یعنی نرچی ہاتھ میں دی اور ...... کھولتے کھو جلتے "متعتك نفسی" کا کلمہ ایک طرف سے اور "قبلتها" کا کلمہ دوسری طرف سے کہہ کر کارروائی شروع کر دی جائے) اس لئے متعہ زنا ہے۔ پس نکاح اور متعہ کبھی ایک سطح پر نہیں آ سکتے۔

**دلیل ہفتم** فرقان حمید میں جس جس جگہ اللہ تعالیٰ نے نکاح کرنے کا حکم دیا ہے وہاں اس حکم کے متصل ہی ادائیگی مہر کا حکم بھی دے رکھا ہے۔ گویا نکاح اور مہر دو لازم و ملزوم اجزا حکم نکاح کے ہیں مثلاً (۱) فانکحوھن باذن اھلھن ..... "محصنت غیر مسافحت" (سورۃ النساء) (۲) "احللنا ازواجك التی اتیت اجورھن" پ ۲۲ - ۳۶ (۳) والمحصنات من المؤمنت ..... اذا اتیتموھن اجورھن" پ ۶ - ۴ - ۶ (۴) فانکحوا ماطاب لکم ..... صدقاتھن نحلۃ" (سورۃ نساء) اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ آیا "فاستمتعتم بہ" کو حکم نکاح کا جزو متصلہ نسبت حکم ادائیگی مہر تصور نہ کریں اور ایک علیحدہ حکم واسطے نکاح متعہ کے خیال کریں۔ الغرض تفہیم قرآن ۱۲ کی روشنی میں اگر ان آیات کو پڑھا جاوے تو آیا فما استمتعتم بہ الخ" کو حکم متعہ پر محمول کرنا قرآن فہمی کو منہ چڑانا ہے اعتراض ندارد - جواب ندارد

**دلیل ہشتم** اگر اغراض بحث کی خاطر روافض کے اس اعتراض کو درست مان لیا جائے کہ آیہ "فما استمتعتم خالصۃً حلت متعہ ہی کے متعلق ہے۔ اور اسے نکاح و مہر سے کوئی دور کا بھی تعلق نہیں ہے۔ کیونکہ وہ اس آیہ سے اس طرح استدلال کرتے ہیں کہ اسجگہ بمجرد ابتغاء بمال استمتاع مذکور ہے - اور بعد استمتاع ادائیگی اجر کا حکم ہے بس یہ صورت چونکہ متعہ ہی میں متحقق ہے۔ کیونکہ عقد نکاح میں حاضری گواہان و ولی قبل از استمتاع بعد ابتغا بمال لابدی ہے۔ اس لئے یہ آیتہ ہرگز عقد نکاح کے متعلق نہیں بلکہ عقد متعہ ہی کے متعلق ہے۔ تو لازمی طور پر یہ سوال پیدا ہو گا



کہ بعد مقاربت اگر کوئی مرد اپنی عورت کو طلاق دیدے۔ تو اسے کس قدر مہر ادا کرنا چاہئے خصوصاً جبکہ رقم مہر بوقت نکاح معین ہو چکی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قبل از مقاربت طلاق دینے کی صورت میں "فنصف ما فرضتم" کا حکم دیا ہے۔ چونکہ روافض قرآن کریم کو صحیفہ عثمانی سمجھ کر کم ہی پڑھا کرتے ہیں۔ اس لئے میں انہیں یقین دلاتا ہوں کہ تمام کلام اللہ میں سوائے آیۃ "فما استمتعتم الخ" کے اور کوئی آیتہ ان کو ایسی نہ ملے گی جو بعد مقاربت طلاق دینے کی صورت میں پورے مقرر کردہ مہر کی ادائیگی کا حکم صریحاً "فاتوھن اجورھن فریضۃ" کی صورت میں صادر فرما دے۔ روافض اس آیت کو متعہ پر محمول کر کے حلت متعہ ثابت کرنے سے تو رہے۔ البتہ قرآن کے احکام نسبت ادائیگی مہر کو ناقص و نامکمل ضرور ثابت کر دینگے۔

# (۳)
# باب سوم
## (قال الرسول)

علم القرآن یقینی علم ہے جس کے متعلق خداوند تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ کہ یہ کتاب شک و شبہ سے پاک و منزہ ہے۔ مگر اس کے برعکس علم الحدیث (علم الاخبار) ظنی علم ہے۔ کیونکہ شیعہ و سنی کا یہ متفق علیہ اصول کلام ہے۔ کہ "الخبر یحتمل الصدق و الکذب" یعنی خبر میں صدق و کذب کا احتمال ہے۔ اس امر سے کسی فریق کو انکار نہیں ہو سکتا۔ کہ جناب سرور کائنات کی حیات جسدی میں بھی اور ان کی حیات ابدی میں جلوہ فگن ہونے کے بعد بھی ایک طویل عرصہ تک احادیث انسانی حافظے کے رحم پر سنبھالے لیتی رہیں اور ایک پشت سے دوسری پشت میں بذریعہ آلہ نطق منتقل ہوتی رہیں۔ اگرچہ بعض آئمہ اور مشاہیر علماء نے

ان کو ایک حد تک ضبط کر لیا۔ تاہم ان کی باضابطہ تدوین کہیں دوسری صدی میں جا کر ہوئی اور اس عرصہ میں بنی امیہ و بنی عباسیہ کی سیاسی مخالفتوں اور مناقشوں کے طوفان بے تمیزی کے باعث صحیح احادیث کے علاوہ بیشمار وضعی احادیث بھی شامل کر لی گئیں جس کی وجہ سے صدق و کذب میں تمیز کما حقہ کرنا سخت مشکل امر ہے لیکن باوجود اس اشتباہ کے چونکہ فریقین اپنے مباحثوں اور مناظروں میں ان روایات و احادیث کو بھی قاضی النزاع مقرر کرتے ہیں۔ اسلئے ہمیں بھی ان کی طرف رجوع کئے بغیر چارہ نہیں ہے چنانچہ ہم اول شیعوں کی معتبر کتب احادیث سے حرمت متعہ ثابت کرینگے۔ اور اس کے بعد سنیوں کی ان احادیث پر تنقید کرینگے جو شیعوں کی طرف سے حلتِ متعہ میں پیش کی جاتی ہیں۔

# فصل اوّل

## رِوَایاتِ شیعہ

ناظرین کی سہولیّت کی خاطر ہم روایاتِ شیعہ کو دو حصوں پر تقسیم کرتے ہیں حصّہ اول میں اُن روایات کا ذکر کیا جائیگا۔ جو صریحاً حرمتِ متعہ کا حکم رکھتی ہیں۔ اور حصّہ دوم میں وہ روایات بیان کی جائیں گی۔ جن سے حرمتِ متعہ استدلالاً اخذ کی جاسکتی ہے۔

## حصّۂ اوّل روایاتِ حرمتِ صریحہ

**روایت اوّل** شیعوں کی سب سے معتبر کتب احادیث علاّمہ ابوجعفر طوسی کی تہذیب و استبصار ہیں۔ چنانچہ ان ہر دو کتب کے باب تفصیل النکاح و باب تحلیل المتعہ علی الترتیب میں یہ روایت حضرت علی رضؓ سے منقول ہے " قال حرم رسول اللہ ﷺ لحوم الحمار الاھلیة و نکاح المتعة (ترجمہ) کہا حضرت علیؓ نے رسول اللہ



گوشت گھریلو گدھے کا۔ اور نکاح متعہ کا۔ یہ حدیث کتب ستہ اہل تسنن میں بھی مرقوم ہے۔ اور چونکہ یہ بہترین اسناد سے مروی ہے۔ اس لئے کل محدثین نے بالاتفاق اس پر حصر کر کے متعہ کو حرام قرار دیا ہے۔ جب یہ حدیث مخاصمین کی بہترین کتب میں سلسلہ وار جناب امیر عا پر منتہی ہوتی ہے۔ تو اس سے بہتر مسکت البحث سند اور کیا ہو سکتی ہے۔ فریقین ایک دوسرے کی روایات کو غیر معتبر اور راویوں کو غیر متدین سمجھتے ہیں۔ اس لئے آج تک وہ ایک سطح پر کھڑے نہیں ہو سکے لیکن جب یہ روایت ہر فریق کی اپنی اپنی معتبر کتب میں نہایت ثقہ راویوں کی سند سے مندرج ہے تو یہ کس قدر شیعوں کی ہٹ دھرمی ہے کہ وہ اسے بلاوجہ نظر انداز کر رہے ہیں۔

**روایت دوم** - کافی بھی شیعوں کی صحاح اربعہ میں سے ہے اور یہ وہ کتاب ہے جس پر امام منتظر نے غار سر من رائے میں " ھذا کافی لشیعتنا " کی مہر تصدیق ثبت فرمائی تھی چنانچہ اس کتاب کی جلد ۲ صفحہ ۱۹۵ میں یہ روایت درج ہے " عن المفضل قال سمعت ابا عبد اللہ یقول فی المتعة دعوھا الا یستحی احدکم ان یری فی الموضع العورة فیحمل ذٰلک علی صالحی اخوانه و اصحابهٖ (ترجمہ) مفضل نے کہا ہے کہ میں نے امام جعفر رضؓ سے سُنا کہ متعہ کے بارے میں فرماتے تھے کہ اس کو بالکل چھوڑ دو۔ کیا تمہیں حیا نہیں آتی کہ بیگانہ عورت کی فرج دیکھ کر اپنے بھائیوں اور دوستوں کے آگے اس کا حال بیان کرو۔ اس روایت میں نہ صرف متعہ کو ہی حرام کیا گیا ہے بلکہ اس بے حیائی کا نہایت ہی مختصر مگر معنی خیز الفاظ میں مرقع کھینچا گیا ہے جو متعہ کا لازمی نتیجہ ہے۔

**روایت سوم** - فقہ شیعہ کے بانی مبانی جناب علامہ حلّی اپنی شہرۂ آفاق کتاب " فقہ الرضا " کے باب النکاح میں یہ روایت درج فرماتے ہیں " اعلم یا اخی انی سئلت الامام عن المتعة فقلت جعلت روحی فداک روی جدک امیر المومنین ان النبی

حلل المتعۃ یوم فتح مکہ وحرمہا یوم خیبر ونہی عنہا ...... ان اللہ غفور الرحیم۔

(ترجمہ) (راوی کہتا ہے) اُس نے برادر پوچھا میں نے امام رضا سے کہ اے حضرت روح میری آپ پر قربان بیان فرمایئے کہ متعہ کی نسبت آپ کا کیا حکم ہے۔ کہ روایت کیا ہے آپ کے دادا جناب امیر ؑ نے کہ حضرت رسالت پناہ ؐ نے حلال کیا فتح مکہ کے روز اور حرام کیا تھا خیبر کے روز اور اس سے منع کیا تھا۔ امیر ؑ نے فرمایا سچ فرمایا تھا جناب امیر ؑ نے خدا کی قسم متعہ حرام ہے۔ البتہ اجازت دی گئی تھی قبل ازیں۔ پھر امام ؑ نے فرمایا کہ حضرت صلعم نے متعہ حلال نہیں فرمایا تھا مگر جوانان عرب کے واسطے کہ جو مسافرت میں آپ کے ساتھ تھے اور شکایت اپنی تکلیف کی کرتے تھے۔ پس آپ نے اجازت متعہ کی نہیں دی مگر ایسے لوگوں کے واسطے تاکہ حرام سے بچیں۔ لیکن جس شخص نے متعہ کیا اس حالت میں کہ قادر ہے نکاح پر یا خرید نے لونڈی پر یا اپنے مکان پر موجود ہے یا کسی شہر میں مقیم ہے۔ پس بیشک اس نے مباح کیا اپنے نفس پر اس چیز کو جس کو حرام کیا خدا تعالیٰ نے اس کے واسطے اور فرمایا خدا عزوجل نے جس شخص نے تجاوز کیا۔ اللہ کی حدوں سے۔ داخل ہوگا وہ ظالمین میں۔ اے بیٹے میرے نہیں تھا جواز متعہ کا مگر وقت اضطرار اور ضرورت کے۔ جیسا کہ جائز ہے وقت ضرورت کے گوشت خنزیر کا اور مردار اور خون۔ لیکن حد ضرورت سے نہ گذرے تو اللہ معاف کرنیوالا ہے۔" اہل بصیرت ذرا آنکھ کھول کر اس روایت کو پڑھیں اور پھر خدا لگتی کہیں کہ اس روایت سے صحیح تریں و معقول تریں روایت کبھی ان کی آنکھوں نے دیکھی یا ان کے کانوں نے سنی ہے۔ روایت کیا ہے حقیقت کا نچوڑ۔ آنکھ سے دیکھو یا کان سے سنو ایک ایک لفظ دل میں اترتا جاتا ہے۔ اور کسی چیز کی صداقت کی اس سے واضح تر دلیل نہیں ہو سکتی۔ نہ صرف یہ روایت انکشاف حقیقت ہی کرتی ہے۔ بلکہ متعہ کی واقعاتی و فلسفیانہ تاریخ کے دریا کو کوزے میں بند کرتی ہے۔

**روایت چہارم**۔ تحفۃ المومنین اور کتاب المحاسن البرقی بھی شیعوں کی



معتبر کتب میں شمار کی جاتی ہیں۔ ان کے باب المتعہ میں بھی جناب امیر ؑ سے روایت نقل کی گئی ہے۔ قال لابن عباسٍ انک رجل تائہ ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نہی عن المتعۃ (ترجمہ) "جناب امیر ؑ نے ابن عباس کو کہا کہ تحقیق تو مرد عیاش ہے۔ تحقیق رسول اللہ صلعم نے منع کر دیا ہے متعہ سے"۔ بعینہٖ یہی روایت کُل معتبر کتب احادیث اہل تسنن میں درج ہے۔ پس جب یہ حدیث متفق علیہ فریقین ہے تو اس کی صحت سے انکار ہو ہی نہیں سکتا۔ جناب امیر ؓ تو متعہ کو عیش پرستی کے مترادف قرار دیتے ہیں۔ مگر حضرات شیعہ اپنے "وصی رسول" کی بات پر ناک منہ چڑھاتے ہیں اور ابن عباس۔ ابن مسکان اور ہشام شیطان مطلق ایسے وضاعین و کذابین کے نقش قدم پر چلکر دعوے تشیع اہل بیت کرتے ہیں۔ ع ببیں تفاوت راہ از کجاست تا بکجا۔

## حصۂ دوم۔ روایاتِ حرمت استدلالیہ

**روایت اوّل**۔ خاتم المؤلفین صاحب "مجالس المومنین" مجلس دوم میں لکھتے ہیں۔ "اگر متعہ روا بودے امام برحق (امام حسن ؑ) جز التفات بنکاح وطلاق فرمودے"۔ حضرت امام حسن ؓ کہ باعتراف صاحب مجالس المومنین بیشتر نکاح کرتے اور طلاق دیتے تھے۔ یہانتک کہ حضرت امیر ؑ نے لوگوں سے بذریعہ اعلان عام فرمایا تھا۔ یا "اہل الکوفۃ لا تزوج الحسن فانہ مطلاق النساء" (ترجمہ) اے کوفے کے لوگو حسن ؓ سے اپنی لڑکیوں کے نکاح مت کرو کیونکہ وہ طلاق دینے کا عادی ہوگیا ہے۔ کبھی متعہ سے کنارہ کشی نہ کرتے کہ یہ نہایت ہی سہل کام تھا۔ ہم خرما و ہم ثواب۔ یہی نہیں۔ کہ امام حسن ؑ ہی نے تمام عمر کبھی متعہ نہیں کیا۔ بلکہ کل آئمہ کرام ؓ نے بھی باوجود (بقول شیعہ) فرمودہ ختم الرسل ؐ کے "فمن خرج من الدنیا ولم یتمتع جاء یوم القیمۃ وھو اجدع (ترجمہ) کہ جس نے دنیا سے بغیر متعہ کئے کوچ کیا وہ قیامت کے دن

بدوضع مثل نک کٹا کے ہوگا (منہج الصادقین صفحہ ۳۵۴) مطابق اس روایت کے
(توبہ نعوذ باللہ) نکٹا ہونا پسند کیا مگر متعہ سے اپنے دامن عصمت کو آلودہ عصیاں
نہ کیا۔ کاش شیعہ صاحبان ائمہ کرام کی عملی زندگی کی متابعت کریں۔ اور خواہ مخواہ ان
وضعی روایات کی کورانہ تقلید نہ کریں جو منافقین اسلام نے بغرض فتنہ و فساد معصومین
کے نام پر مسکوک کرکے مروج کی ہیں۔ جب سے ہندوستان میں مذہب اسلام نے قدم رکھا
ہے کسی ایک شیعہ نے بھی متعہ نہیں کیا۔ کیا لاکھوں کروڑوں شیعہ مسلمان جو اسوقت
تک ہندوستان میں مر چکے ہیں یا انہیں حالات کے ماتحت آئندہ بغیر متعہ کئے مرینگے
وہ سب میدان حشر میں نکٹے ہی اٹھینگے۔ ان گنگنانے والوں کی افواج کا منظر دیکھنے
کے قابل ہوگا۔ خدا ہر مسلمان کو اس ہنسانے والے نظارہ سے لذت اندوز ہونے کا
موقع دے۔ آمین

**روایت دوم**۔ امام منتظر کی اسی تصدیق شدہ کتاب کافی کی جلد ۲ صفحہ ۱۹۲
پر یہ روایت درج ہے۔ "عن محمد بن الحسن قال کتب ابو الحسنؑ الی بعض
موالیہ لا تلحوا علی المتعۃ انما علیکم اقامۃ السنۃ فلا تشتغلوا بها عن فرشکم
وحرائرکم فیکفرن ویتبرین ویدعین علی الامر بذالک ویلعنونا" (ترجمہ) حضرت
حضرت ابو الحسن نے اپنے بعض اصحاب کو لکھا کہ متعہ پر اصرار مت کرو صرف سنت بجا لاؤ۔
اور اس میں مصروف مت ہوجاؤ" تاکہ ایسا نہ ہو تم اپنی منکوحہ عورتوں اور کنیزوں سے ہٹ جاؤ
اور وہ معطل رہیں اور پاکباز رہکر ہماری دامنگیر ہوں اور ہمیں اس وجہ سے کہ ہم نے حکم متعہ کا دیا
ہے لعنت کریں"۔ اس روایت میں گو مخالفت کلی نہیں ہے۔ مگر متعہ کے اصرار سے ضرور ممانعت
کی ہے۔ اور اس کے بد نتائج سے آگاہ کیا ہے۔ کہ متعہ کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ تم ممتوعہ
عورتوں کے خیال میں لگ کر اپنی پاکباز عورتوں کو بالکل چھوڑ دو گے۔ اور وہ اس کے
بدلے تمہارے بزرگوں کو گالیاں دینگی۔ کہ انہوں نے متعہ کا رواج ڈال کر ہم پر



یہ آفت برپا کی۔ کیا اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا۔ کہ رواج متعہ معاشرتی تمدن کو درہم
برہم اور انسانی رگ و پے میں شہوت رانی کی تحریک کو مستحکم کرنیوالا ہے جس کی وجہ
سے زناکاری اور فسق و فجور کے رائج ہوجانیکا نہ صرف احتمال بلکہ یقین کامل ہے جب
ایک دفعہ یہ "کثیر اللذت قلیل الزحمت" اصول مروج ہوگیا۔ تو دلیل عقلیہ نمبر ۴ کے
مناظر تباہی صفحہ عالم پر منقش ہوجائیں گے

**روایت سوم** یہ روایت بھی اپنے ماسبق کی طرح کافی جلد ۲ کے صفحہ ۱۹۷ پر درج ہے
"جاء عبد اللہ بن عمر اللیثی فقال له ما تقول فی متعۃ النساء فقال احلها
اللہ وکتابه ... بنات عمه" (ترجمہ) ابن عمر اللیثی نے امام باقرؑ سے متعہ کا مسئلہ
دریافت کیا۔ تو انہوں نے کہا کہ خدا نے اسے اپنی کتاب میں اور اپنے رسول کی زبان
سے حلال کیا ہے ... ابن عمر نے کہا کیا یہ آپ کو پسند ہے کہ آپ کی عورتیں اور لڑکیاں
یہ فعل کریں۔ امام باقرؑ نے یہ بات سن کر اس کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ اور کچھ جواب نہ دیا
آئمہ معصومین کی تصویر کا سیاہ رخ تو شیعہ صاحبان نے مذکورہ بالا الفاظ میں دکھلا کر
حب اہل بیت کا ثبوت دیا ہے۔ حالانکہ ہمیں معاندین اہل بیت سے شمار کیا جاتا
ہے۔ لیکن ہمارا ایمان یہ نہیں کہ یہ راہنمایان راہ طریقت "آنچہ برخود نہ پسندی بر
دیگراں ہم مپسند" کی خلاف ورزی کرکے جو چیز دوسروں کے لئے جائز سمجھیں۔ اور اس
کی تلقین کریں۔ خود اسپر عامل نہ ہوں اگر امامؑ حلت متعہ کے اس قدر قائل تھے۔ کہ
اس کو سنت رسولؐ اور قیامت تک جائز سمجھتے تھے۔ تو پھر اپنی عورتوں کا سوال
آجانے سے کیوں کبیدہ خاطر ہوئے۔ یہ عجیب بات ہے۔ کہ جو فعل مردوں کے لئے باعث
نجات اخروی اور افتخار دنیوی ہو۔ وہ عورتوں کے لئے موجب رسوائی و شرمساری ہو
پس نتیجہ اصل یہ ہے کہ یہ حدیث وضعی ہے۔ اور خواہ مخواہ آئمہ معصومین کے گلے
منڈھی گئی ہے۔ کیونکہ ان کی ذات بابرکات ایسی بے اصول باتوں سے مبرا و منزہ ہے

آئمہ معصومین کی تصویر کا سفید رُخ یہ ہے جو ہم نے دکھلایا ہے۔ اب ناظرین با تمکین فیصلہ کریں کہ محبت کس نقطہ نظر میں مضمر ہے۔

**حدیث چہارم۔** المتعۃ البکر لکبرہ للعیب علی اھلھا۔ (ترجمہ) باکرہ سے متعہ کرنا اس کو خاندان کے لئے بوجہ عیب کے موجب ہتک کا ہے۔ یہ روایت بھی کافی جلد ۲ صفحہ ۱۹۶ پر درج ہے۔ اور نیز "من لا یحضرہ الفقیہ" کہ شیعوں کے سلطان المحدثین ابن بابویہ القمی المعروف بہ شیخ صدوق کی مشہور عالم کتاب ہے اور جو صحاح اربعہ کے نظام شمسی کا آفتاب ہے۔ اس کے باب المتعہ میں یہ روایت بعینہ مرقوم ہے۔ کم و بیش اس مضمون کی ایک اور روایت امام باقرؑ سے کافی جلد ۲ صفحہ ۱۹۶ پر منقول ہے لا بأس ان تمتتع بالبکر مالم یفض علیہا مانہ کراھۃ العیب علی اھلھا (ترجمہ) باکرہ عورت سے اور فائدے اٹھالو مگر اس سے مجامعت نہ کرو کہ اس سے ہتک اس کے خاندان کی ہے۔

ان روایات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ متعہ در اصل فعل بد ہے۔ اور اگر برا نہ ہوتا تو باکرہ کے ساتھ متعہ کرنا کیوں معیوب ہوتا اور اس سے اُسکے خاندان کو دھبہ کیوں لگتا۔ حالانکہ باکرہ کے ساتھ نکاح کرنے کی اس طرح تعریف کی گئی ہے۔ "تزوجوا الابکار فانھن اطیب شئی افواھا" (کافی جلد ۲ صفحہ ۱۳۴) رسالہ تنبیہ المنکرین کے صفحہ ۲۷ پر لکھا ہے کہ "باکرہ سے متعہ کرنا مکروہ ہے" کیا باکرہ سے متعہ اس لئے مکروہ قرار دیا گیا ہے کہ وہ اپنی عصمت کو ایک مٹھی بھر جو یا ایک بوسیدہ چادر کے عوض فروخت کرنے کو تیار نہیں ہوتی۔ اور "رواں شدہ" کو چونکہ مجامعت کا چسکہ لگ چکا ہوتا ہے۔ اس لئے وہ تو وہاں سگ کی طرح ایک لقمہ پر بھی قناعت کر سکتی ہے۔ حلت متعہ کی روایات کے وضاعین کو چونکہ اپنے مقلدین میں سہل العمل عام زناہ کی اشاعت مقصود تھی اس لئے انہوں نے غیر سہل الحصول عورتوں کو مکروہ قرار دیدیا تاکہ ان کے انکار سے متاعی سانڈوں کے حوصلے پست نہ ہو جائیں۔ ورنہ باکرہ اور ثیبہ میں اس قسم



کی مستحضر خیر تمیز لایعنی ہے۔

# فصل ثانی

## روایات سُنیہ پیش کردہ روافض[1] اور اُن پر بحث

بیشتر اس کے کہ روایات سنیہ پر بحث کریں یہ امر اشد ضروری معلوم ہوتا ہے کہ متعہ کی مختصر تاریخ بیان کردی جائے۔ جہانتک اہل سنت کی کتب سیر و حدیث کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے۔ متعہ رسول کریم صلعم کی بعثت سے قبل سرزمین عرب میں مروج تھا چنانچہ حضور علیہ السلام نے اسے ابتدائے اسلام میں حرام فرمایا۔ اور پھر فتح مکہ میں تین روز کے لئے محض بضرورت جنگ اس کی اجازت دیکر قیامت تک اسے حرام قرار دیدیا۔ ابی ذر غفاری رضؓ سے روایت ہے "انما احلت لاصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم متعۃ النساء ثلثۃ ایام ثم نہی عنہا رسول اللہ صلعم (ترجمہ) رسول کریمؐ نے اپنے اصحاب کے لئے تین روز متعہ حلال کیا تھا پھر اس سے منع فرما دیا۔ اس قسم کی سینکڑوں احادیث صحاح ستہ میں مروی ہیں۔ جن کی بنا پر اہل سنت کے چاروں ائمہ کرام یعنی امام ابوحنیفہ رح امام شافعی رح امام احمد حنبل رح و امام مالک رح نے متعہ کو حرام قرار دیا ہے چنانچہ ان کی کتب معتبرہ میں بیشمار سندات موجود ہیں۔ البتہ امام مالک کے متعلق صاحب ہدایہ کی غلطی کے باعث ہدایہ میں یہ فقرہ "متعہ نزد امام مالک جائز است" درج ہو گیا ہے۔ حالانکہ اس کی کوئی بنیاد ہی نہیں ہے۔ چنانچہ ہدایہ کی شرح عینی مندرجہ حاشیہ پر بھی اس غلطی کی کافی

---

[1] اس جگہ تک رسالہ لکھ چکنے کے بعد مجھے کافی کی کتاب الروضہ مطالعہ کرنے کا اتفاق ہوا تو صفحہ ۱۶ پر یہ عبارت میری نظر سے گذری "فقال ابو عبداللہ الرافضۃ قال قلت نعم قال لا واللہ ماھم سموکم بل اللہ سماکم الخ کہ رافضی اللہ کا رکھا ہوا نام ہے۔ اس لئے میں نے آیندہ عہد کر لیا ہے۔ کہ شیعوں کو خدائی نام سے پکارا کروں گا +

تشریح کر دی گئی ہے۔ خود امام مالک رح نے موطا میں حضرت علی رض کی خیبر والی روایت کی بنا پر متعہ کو حرام کہا ہے۔ فرقہ مالکیہ کی دیگر کتب فقہ میں بھی اسے حرام ہی لکھا ہے شرح مختصر میں خلیل مالکی لکھتے ہیں "لاخلاف عندنا ان المتعة نکاح یفسخ مطلقا" اور رسالہ ابن ابی زید مالکی میں "لا یجوز نکاح المتعة اجماعا" اور منہج الوافیہ فی فقہ المالکیہ" میں بھی "لا یجوز نکاح المتعة وھو النکاح الی اجل"۔ موجود ہے۔ علاوہ ازیں امام مالک رح متعہ پر حد تجویز کرتے ہیں۔ علاوہ ان اندرونی سندات کے ایک چھوڑ دو بیرونی سندات اس بات میں ایسی معتبر ہیں۔ جن سے کسی شیعہ کو بھی انکار نہیں ہو سکتا۔ اور وہ یہ ہیں۔ علامہ حلی کہ شیعہ غالی ہیں کشف الحق" میں فرماتے ہیں۔

ذھبت الامامیہ الی اباحة نکاح المتعة وخالف فیھا الفقھاء الاربعة" اور اسی طرح احقاق الحق" مصنفہ ایضاً میں مذکور ہے کہ "چاروں آئمہ کے نزدیک متعہ حرام ہے" اس شہادت کے ہوتے ہوئے کوئی شخص اس امر سے انکار نہیں کر سکتا۔ کہ صاحب ہدایہ نے محض غلطی سے یہ لکھ دیا ہے ورنہ اس کی کوئی بنیاد ہی نہیں ہے۔ اس مختصر تمہید کے بعد ہم ان روایات کو سلسلہ وار درج کرتے ہیں جو شیعوں کی طرف سے حلت متعہ کے ثبوت میں کتب سنیہ سے پیش کی جاتی ہیں اور ساتھ ہی ہم ان کی تردید بھی کرتے جائینگے۔

(۱) سب سے اول ابن مسعود کی یہ روایت بخاری و مسلم سے بڑے شد و مد سے پیش کی جاتی ہے۔ کنا نغزو مع رسول اللہ ﷺ ولیس معنا نساؤنا فقلنا الا نستخصی فنھانا عن ذلک ورخص لنا ان نتزوج المرأة بالثوب الی اجل ثم قرأ عبد اللہ "یایھا الذین آمنوا لا تحرموا طیبات ما احل اللہ لکم (ترجمہ) ابن مسعود کہتا ہے کہ ہم رسول کریم ﷺ کے ہمراہ غزا میں تھے اور ہماری عورتیں ساتھ نہیں تھیں ہم نے عرض کیا کیا ہم اپنے آپ کو خصی کر لیویں۔ آپ نے منع فرمایا اور پھر اجازت دی کہ عورتوں سے نکاح موقت بالعوض کپڑے



کے کر لیں۔ پھر یہ پڑھا کہ اے ایمان والو نہ حرام کرو ان پاک چیزوں کو جو اللہ نے تمہارے لیے حلال کی ہیں

جواب۔ ایمانداروں نے یہ روایت تو لکھ دی مگر دوسری روایت کو دیکھ کر سانپ سونگھ گیا۔ جو آگے قلم نہ اٹھ سکا۔ حالانکہ دوسری روایت بھی ابن مسعود ہی سے مروی ہے۔ اور کیسی صاف سند تنسیخ متعہ پر ہے۔ بیہقی ابن مسعود سے روایت کرتا ہے "قال المتعة منسوخة نسخھا الطلاق والصدقة والعدة والمیراث" (ترجمہ) کہ انہوں نے کہا کہ متعہ منسوخ ہو چکا ہے اور ان کو طلاق مہر عدت اور میراث نے منسوخ کیا ہے۔ علاوہ ابن مسعود کی اس روایت کے حضرت علی کی بھی ایک اسی مضمون کی روایت تفسیر درمنثور جلد ۲ صفحہ ۱۱ پر درج ہے۔ "قال نسخ رمضان کل صوم ونسخ الزکاة کل صدقة ونسخ المتعة الطلاق والعدة والمیراث ونسخت الضحیة کل ذبیحة"۔ (ترجمہ) فرمایا علی رض نے رمضان نے کل روزے منسوخ کئے اور زکوۃ نے کل صدقات منسوخ کئے اور طلاق عدت اور میراث نے متعہ کو منسوخ کیا اور قربانی نے کل ذبیحات منسوخ کئے۔" ابن مسعود کی پہلی روایت غزوہ مکہ کے متعلق ہے۔ اور اس کے الفاظ صاف طور پر واضح کر دیتے ہیں۔ کہ غزوہ مکہ سے قبل بھی متعہ ممنوع تھا۔ اگر ممنوع نہ ہوتا تو صحابہ کرام کو تجرد سے تنگ آ کر خصی بننے کی التجا کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی مجبوریوں کو مدنظر رکھتے ہوئے متعہ کی اجازت دینے کے کیا معنی ہو سکتے تھے پس صحابہ کی التجا اور رسول کریم صلعم کی اجازت اس امر کا بین ثبوت ہے۔ کہ متعہ ممنوع تھا۔ مگر اس کی وقتی اجازت بحالات جنگ دی گئی تھی ورنہ صحابہ از خود متعہ کر لیتے اور رسول کریم کو اجازت دینے کی زحمت نہ دیتے۔ چنانچہ روایت نمبر ۲ ہمارے اس دعویٰ کی کامل طور پر تائید اور تصدیق کرتی ہے۔ کہ یہ وقتی اجازت صرف تین دن کے لئے غزوہ مکہ میں دی گئی تھی۔

(۲) دوسری روایت سبرہ ابن معبد جہنی سے احمد و مسلم روایت کرتے ہیں وھو ہذا۔ ”قال اذن لنا رسول اللہ صلعم عام فتح مکۃ فی متعۃ النساء فخرجت انا و رجل ..... ثم استمتعت منہا فلم اخرج حتی حرمہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔“ (ترجمہ) اجازت دی ہم کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے سال متعۃ النساء کی پس چل پڑے میں اور ایک اور آدمی ...... پس میں نے متعہ کیا۔

**جواب** یہاں تک تو ایمانداری سے روایت کو پیش کیا گیا ہے۔ لیکن اس کے بعد کے الفاظ ”پس میں وہاں سے نہ نکلا جب تک رسول کریمؐ نے حرام نہ کر دیا“ نہایت بد دیانتی سے بلا ڈکار ہضم کیا گیا ہے۔ کیا یہ الفاظ تقیہ سے چھپائے گئے ہیں۔ یا کوئی اور وجہ ہے؟ گو یہی روایت ہی ہمارے دعوی کے لئے کافی ہے۔ لیکن ہم ”بدرا بخانہ باید رسانید“ کے مطابق سبرہ جہنی کی دوسری روایت انہیں ہر دو کتب احادیث سے پیش کرتے ہیں۔ جو اس معاملہ کو روز روشن کی طرح صاف کر دیتی ہے۔ ”یقول یا ایہا الناس انی کنت اذنت لکم فی الاستمتاع الا و ان اللہ حرمہا الی یوم القیامۃ الخ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے۔ اے لوگو میں نے تمہیں متعہ کی اجازت دی تھی۔ مگر اب اللہ نے اُسے قیامت تک حرام کر دیا ہے۔“

(۳) بخاری میں ایک اور مسلم میں دو روایات ابن اکوع سے مروی ہیں اور وہ یہ ہیں (اول) ”خرج علینا منادی رسول اللہ صلعم فقال ان رسول اللہ قد اذن لکم ان تستمتعوا یعنی متعۃ النساء“ رسول کریم کا منادی آیا اور کہا کہ رسول کریم صلعم نے متعۃ النساء کی اجازت دی ہے۔“ (دوم) ”اتانا رسول اللہ صلعم فاذن لنا المتعۃ“ (ترجمہ) خود رسول کریم صلعم تشریف لائے اور ہمیں متعہ کی اجازت دی (سوم) ”قال کنا فی جیش فاتانا رسول اللہ صلعم قال انہ قد اذن لکم ان تستمتعوا فاستمتعوا“ (ترجمہ) ہم فوج میں تھے۔ کہ رسول کریمؐ کا ایک آدمی ہمارے پاس آیا کہ رسول کریم نے متعہ کی اجازت دی ہے۔ تو ہم نے متعہ کیا۔



**جواب** یہ تینوں آیات ایک ہی وقت کی بیان کی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ الفاظ قریباً قریباً یکساں ہیں۔ چونکہ مختلف آدمیوں کی وساطت سے یہ روایات محدثین تک پہنچی ہیں اس لئے قدرے اختلاف لفظی پایا جاتا ہے۔ پس جہاں ان تینوں روایات کو پیش کیا گیا تھا۔ وہاں اگر چوتھی روایات کو بھی لکھا جاتا تو کیا اچھا ہوتا نہ ان کو اعتراض کرنے کی ضرورت لاحق ہوتی اور نہ ہمیں جواب دینے کی زحمت اٹھانی پڑتی۔ چوتھی روایت احمد و مسلم نے مسلم بن اکوع سے یہ نقل کی ”قال رخص لنا رسول اللہ صلعم عام فتح مکۃ فی متعۃ النساء ثلاثۃ ایام ثم نہی عنہا بعدہا“ (ترجمہ) ابن اکوع نے کہا کہ فتح مکہ کے سال تین دن کے لئے رسول کریم صلعم نے ہمیں متعہ کی اجازت دی تھی۔ پھر اس کے بعد منع فرما دیا۔ اسی قسم کی ایک اور حدیث سلمہ بن اکوع کے بیٹے نے اپنے باپ سے روایت کی ہے جو طحاوی کے باب المتعہ میں اس طرح درج ہے۔ ”قال اذن رسول اللہ صلعم فی المتعۃ النساء ثم نہی عنہا“ (ترجمہ) سلمہ بن اکوع نے کہا کہ رسول اللہ صلعم نے متعۃ النساء کی پہلی اجازت دی تھی پھر منع کر دیا تھا۔ سلمہ بن اکوع کی چاروں روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ کرام باوجود شدت تجرد کے متعہ سے رُکے رہے اور حضور صلعم کے صدور اجازت کے بعد مرتکب متعہ ہوئے اگر نکاح کی طرح متعہ کی عام اجازت ہوتی اور یہ بنص قرآنی ثابت ہوتا۔ جیسا کہ شیعہ صاحبان آیۃ فما استمتعتم کو اس کی نص صریح قرار دیتے ہیں۔ تو صحابہ کا قبل از اجازت متعہ سے اجتناب کرنا اور بعد صدور اجازت اس کا مرتکب ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا اور اس تفریق کی کوئی وجہ معقول معلوم نہیں ہوتی کہ کیوں نکاح کے واسطے کبھی صحابہ نے یہ التزام نہیں کیا۔ کہ حضور صلعم سے پہلے اجازت بلکہ مشورہ تک لیں اور بعد میں نکاح کریں۔ اندریں حالات حرمت متعہ میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا۔ کیونکہ اگر متعہ ایسا ہی حلوہ بے دودہ تھا۔ تو اس کے لئے اس قدر تگ و دو کی

کیا حاجت تھی جس کو بھی خواہش ہوتی بے کھٹکے متعہ کر لیتا۔ حدیث سوم میں لفظ "فاستمتعنا" سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ سلمہ بن اکوع متعہ کنندگان میں نہ تھے۔ بلکہ اور لوگوں نے کیا تھا۔ بایں ہمہ صحیح بخاری میں اس حدیث کے بعد دوسری حدیث میں خود حضرت سلمہ بن اکوع کے یہ الفاظ ہیں "فما ادری اشی کان لنا خاصۃ ام للناس عامۃ" کہ معلوم نہیں یہ اجازت خاص صحابہ ہی کو تھی یا تمام امت کے لئے تھی۔

(۴) دو روایات مسلم کے باب الحج میں ابوذر سے مروی ہیں (اول) "قال کانت لنا رخصۃ" (ترجمہ) متعہ کی ہم کو اجازت تھی۔ (دوم) "لا تصلح المتعۃ الا لنا خاصۃ" سوائے ہمارے کسی میں صلاحیت متعہ کی نہ تھی۔

**جواب** یہ روایات جیسا کہ ان کے محل وقوع سے ظاہر ہوتا ہے۔ متعۃ الحج کے متعلق ہیں۔ چنانچہ اس جگہ ابوذرؓ سے ایک اور روایت درج ہے جس سے یہ معاملہ اظہر من الشمس ہو جاتا ہے۔ "قال کانت المتعۃ فی الحج لاصحاب محمد خاصۃ" (ترجمہ) ابوذر نے کہا کہ متعۃ الحج اصحاب محمدؐ کے لئے خاص تھا۔ اسی مضمون کی ایک اور حدیث نسائی میں مرقوم ہے جس سے بلا شک و شبہ یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ ابوذر کی روایات با ہمہ قسم متعۃ الحج ہی کے متعلق ہیں یہ روایت حارث بن بلال سے مروی ہے۔ "قال قلت یا رسول اللہ فسخ الحج لنا خاصۃ ام للناس عامۃ فقال بل لنا خاصۃ" متعۃ النساء کے متعلق ابوذر سے ایک ہی روایت مروی ہے۔ اور وہ متعہ کی ہسٹری کے بیان میں اوپر ذکر کی جا چکی ہے

(۵) بخاری طحاوی۔ تفسیر کبیر و تفسیر در منثور میں عمارہ نے ابن عباس سے روایت کی ہے۔ "سئلت ابن عن المتعۃ اسفاح ام نکاح فقال لا سفاح ولا نکاح قلت فما ھی قال ھی المتعۃ الخ" (ترجمہ) میں نے ابن عباس سے سوال کیا آیا متعہ زنا ہے یا نکاح۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ نہ زنا ہے نہ نکاح۔ بلکہ متعہ الخ۔ نیز بخاری میں ابی جمرہ



سے روایت ہے۔ "سئل ابن عباس عن متعۃ النساء فرخص فیھا فقال لہ مولی لہ انما کان ذالک فی النساء قلت والحال شدید فقال ابن عباس نعم" (ترجمہ) سوال کیا گیا ابن عباس سے متعۃ النساء کے متعلق تو اس نے اجازت دیدی پھر اس کے نوکر نے اس کو کہا کہ یہ تو اسوقت تھا جبکہ عورتوں کی قلت تھی اور حالت شدید لاحق ہوتی تھی۔ ابن عباس نے کہا کہ ہاں۔

**جواب** پیشتر اس کے کہ ان روایات کا جواب عرض کیا جاوے۔ یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ابن عباس کی ابتدائی زندگی کے متعلق چند واقعات درج کئے جائیں جن کی روشنی میں مفصلہ بالا روایات کی تفہیم با حسن وجوہ عمل میں آئے گی۔ آپ ایک سال قبل از ہجرت پیدا ہوئے اور اپنے باپ کے ہمراہ نو سال مکہ میں رہے تھے۔ جب آنحضرتؐ ہجرت کے آٹھویں برس غزوہ مکہ کے لئے اس جگہ تشریف لائے تو حضرت عباسؓ کو جو انہیں راستہ میں مدینہ کی طرف جاتے ہوئے ملے۔ بمعہ ذریات و مستورات مدینہ منورہ بھیجدیا تھا۔ اس لئے نہ تو کوئی غزوہ سابق ہی ابن عباس کی موجودگی میں ہوا تھا۔ اور نہ فتح مکہ ہی۔ علاوہ اس کے آخر آپ تھے بھی تو بچہ ہی اگر ان کے سامنے بھی یہ غزوات ہوتے۔ تو آپ میں احکامات شرعیہ کے سمجھنے کی قابلیت ہو بھی کہاں سکتی تھی۔ لہذا آپ کو جو علم متعہ کے متعلق تھا وہ سماعی تھا۔ بہر کیف ان روایات کی تردید خود ان کی دیگر روایات سے ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں حضرت علیؓ نے ایک روایت ابن عباس کے خلاف ارشاد فرمائی تھی جو ان کی (ابن عباس کی) عدم اطلاع کی تائید کرتی ہے جب ابن عباس کی تصنیف کردہ تفسیر القرآن موجود ہے تو سب سے اول ہمیں اس تفسیر کا مطالعہ کرنا لازم ہے۔ نہ کہ ادھر ادھر کی روایات کی جستجو میں سرگرداں ہونا چاہیئے۔ آیۂ "احل لکم ما وراء ذلکم" کی تفسیر کے ماتحت میں آیۂ "ان تبتغوا باموالکم محصنین غیر مسافحین فما استمتعتم بہ منھن فاتوھن اجورھن

فریضۃ الخ" کی تفسیر آپ اس طرح کرتے ہیں۔ ان تبتغوا تزوجوا باموالکم (الی الاربع) ویقال ان تشتروا باموالکم من الاماء ویقال ان تبتغوا باموالکم فروجھن وھی المتعۃ وقد نسخت الآن محصنین متزوجین غیر مسافحین غیر زانین بلا نکاح فما استمتعتم استنفعتم بہ منھن بعد النکاح فاتوھن فاؤتوھن اجورھن فریضۃ مہورھن کاملۃ ولاجناح علیکم ولا حرج علیکم فیما تراضیتم بہ فیما تنقصون وتزیدون فی المھر بالتراضی من بعد الفریضۃ الاولی التی سمیتم لھا ان اللہ کان علیما فیما احل لکم النکاح حکیما فیما حرم علیکم المتعۃ۔ اس آیت کی تفسیر پڑھنے کے بعد ابن عباس کا عقیدہ نسبت متعہ کے اس قدر واضح ہو جاتا ہے۔ کہ اس کی اور زیادہ تشریح کرنا آفتاب کو چراغ دکھانا ہے۔ آپ نے صاف الفاظ میں متعہ کے حکم کو منسوخ شدہ تصور کیا ہے۔ علاوہ ازیں بخاری و تفسیر کبیر میں ابن عباس سے مروی ہے اللّٰھم انی اتوب الیک من قول فی المتعۃ" (ترجمہ) اے اللہ میں نے اپنے قول نسبت حلت متعہ سے توبہ کی۔ یہاں تک تو ابن عباس کی اپنی تفسیر اور روایت سے متعہ کی حلت کی تردید کی گئی ہے۔ اب ہم ایک روایت حضرت علیؓ سے درج کر کے ابن عباس کی روایات کے ذکر کو ختم کرتے ہیں۔ موطا مالک بخاری و مسلم میں بروایت محمد حنفیہ ابن علیؓ حضرت علی سے مرقوم ہے۔ "انہ قال لابن عباس انک رجل تائہ ان رسول اللہ صلعم نھی عن المتعۃ" (ترجمہ) حضرت علیؓ نے ابن عباس سے کہا تحقیق تو مرد سرگشتہ ہے تحقیق رسول کریم صلعم نے متعہ سے منع فرمایا ہے۔ بعینہٖ یہی حدیث شیعوں کی کتاب محاسن برقی میں بھی درج ہے جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔

(٦) مسلم کی کتاب الحج میں عمران بن حصین سے مروی ہے۔ تمتعنا مع رسول اللہ صلعم ولم ینزل فیہ القرآن قال رجل فیھا برائہ ماشاء" اور پھر بخاری



کے باب من تمتع بالعمرۃ الی الحج میں یہی روایت قدرے کم و بیش الفاظ سے درج ہے۔ (ترجمہ) ہم رسول اللہ صلعم کے ہمراہ متعہ کیا کرتے تھے اور قرآن میں ممانعت کی آیت نازل نہیں ہوئی۔ اور ایک شخص نے اپنی رائے سے کہا جو اس نے چاہا

**جواب** ان ہر دو روایات کے محل اندراج سے صاف ظاہر ہے۔ کہ یہ تمتع الحج کے متعلق ہیں نہ کہ تمتع النساء کے۔ یہ یار لوگوں کی چالاکی ہے۔ کہ کہیں کی اینٹ کہیں لگا دیتے ہیں چونکہ یہ دونوں روایات غیر متعلق ہیں۔ اس لئے اسی قدر جواب پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

(٧) عبداللہ بن عمرؓ سے ایک روایت ترمذی کے باب الحج میں مرقوم ہے۔ کہ فقال عبداللہ رض بن عمر رض ھی حلال فقال الشامی ان اباک قد نھی عنھا فقال عبداللہ رض بن عمر رض ارایت ان کان ابی نھی عنھا وصنعھا رسول اللہ صلعم اامر ابی یتبع ام امر رسول اللہ صلعم فقال الرجل بل امر رسول اللہ صلعم (ترجمہ) ابن عمرؓ نے کہا متعہ حلال ہے۔ شامی نے کہا تمہارے باپ نے تو متعہ سے منع کیا ہے۔ ابن عمرؓ نے کہا تو نے دیکھا کہ میرے باپ نے متعہ منع کیا ہے۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حلال کیا تھا کیا تو میرے باپ کا حکم مانیگا یا رسول اللہؐ کا پس شامی نے کہا البتہ حکم رسول اللہ صلعم کا

**جواب** سابقہ دو روایات کی طرح اس آیت کا محل وقوع بھی صاف طور پر واضح کرتا ہے۔ کہ روایت بھی تمتع الحج ہی کے متعلق ہے۔ اس لئے معاملہ زیر بحث سے غیر متعلق ہے۔ عبداللہ رض بن عمر رسول اللہ صلعم کی جانب سے متعۃ النساء کے حرام کئے جانے کے بڑے زور سے مدعی ہیں۔ چنانچہ آپ کی زبانی ایک روایت طحاوی کے باب المتعہ میں درج ہے۔ "ان رجل سال عبداللہ رض بن عمر رض عن المتعۃ

فقال حرام فقال فان فلان یقول فیہا قال واللہ لقد علم ان رسول اللہ صلعم حرمہا یوم خیبر وما کنا مسافحین (ترجمہ) ایک شخص نے عبداللہ بن عمرؓ سے متعہ کی نسبت سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ وہ حرام ہے۔ تو اس نے کہا کہ فلاں اس کو حلال کہتا ہے۔ اس پر آپ نے پھر فرمایا بخدا مجھے علم ہے۔ کہ رسول اللہ صلعم نے اسے یوم خیبر کو حرام فرمایا تھا اور ہم زنا کرنیوالے نہ تھے۔

(۸) لولا نہی ابن خطاب مازنی الا شقی" (ترجمہ) اگر عمر خطاب رضؓ منع نہ کرتے۔ تو کوئی زنا نہ کرتا۔ مگر شقی۔ یہ روایت تفسیر ثعلبی و تفسیر نیشاپوری میں درج ہے

**جواب** - اول تو تفسیر ثعلبی و تفسیر نیشاپوری اہل سنت کی معتبر کتابیں ہی نہیں ہیں۔ دوم یہ روایت ان تفسیروں میں بلا اسناد درج ہیں اور بے سند روایت ہرگز لائق اعتبار نہیں ہوتی۔ سوئم حضرت عمرؓ کی ممانعت متعہ بالکل مطابق ارشاد نبوی ہے۔ جیسے جناب امیرؑ کی خیبر والی روایت واضح کرتی ہے۔ اگر حدیث نبوی کے برخلاف حضرت عمرؓ کی ضد پر حضرت علی رضؓ حلت کا خیال جما کر یہ فقرہ تراش لیں (توبہ نعوذ باللہ من ذالک) تو حضرت عمرؓ پر کیا الزام ہے۔ بلکہ حضرت عمرؓ پر اعتراض کرنا دراصل حضورؐ پر اعتراض کرنا ہے۔ قول علی قول رسول پر کسی طرح فائق نہیں ہو سکتا۔

## حرمتِ متعہ اور حضرت عمرؓ

احادیث متذکرۃ الصدر کو اگر تعمق نظری سے دیکھا جاوے۔ تو یہ بات واضح ہوتی ہے۔ کہ حضور علیہ السلام نے متعہ کو حرام تو ابتدا میں ہی کر دیا تھا۔ لیکن جب بعض غزوات خصوصاً غزوہ فتح مکہ میں آپ کے بعض اصحابہ نے اپنی منکوحات سے لمبی جدائی کا شکوہ کیا۔ اور خصی ہو جانے کی اجازت طلب کی تو آپ نے مصلحتاً جس طرح بحالت اضطرار مردار و خنزیر کھانے کی شرعاً اجازت ہے۔ اس حرام شدہ فعل کے ارتکاب کی وقتی



اجازت دے دی تھی چنانچہ جس قدر روایات اوپر درج ہو چکی ہیں۔ ان سب میں یا تو "رخصت" کا لفظ ہے اور یا "اذن" کا۔ اور یہ اس امر کی صاف دلیل ہے کہ متعہ اس وقت حرام تھا اور بغیر رسول کریم صلعم کی اجازت کے ارتکاب ناجائز تھا۔ چنانچہ آپ نے متعہ کی اجازت تو دیدی تھی مگر..... حرمت سابقہ کو منسوخ نہیں کیا تھا۔ بلکہ اسے قائم رکھتے ہوئے اس کے برعکس عمل کی چند روزہ اجازت عطا فرمائی تھی اور پھر اس عارضی اجازت کے امکان اعادہ کو ہمیشہ کے لئے قطع کرنے کی خاطر ارشاد فرمایا تھا کہ اب متعہ ہمیشہ کے لئے حرام ہے۔ جیسا کہ سبرۃ بن معبد جہنی کی روایت سے ثابت ہوتا ہے۔ اس قسم کی وقتی اباحت سے بعض صحابہ کرام کو جنہیں شیعہ صاحبان مجوزین متعہ کے زمرہ میں شمار کرتے ہیں۔ شبہات طاری ہوئے کسی نے وقتی اباحت سے عموم اجازت سمجھ لیا۔ اور بعض لوگوں نے جن کی فی الجملہ نظر غائر تھی وہ تو یہ سمجھے کہ متعہ حرام ہے۔ اور اجازت نبوی بحالت اضطرار تھی۔ مگر مثل حالت خنزیر اس کی حلت بھی دائمی ہے۔ حالانکہ یہ قیاس صحیح نہیں کیونکہ واقعات خاصہ مفید عموم نہیں ہوتے۔ علاوہ اس کے صحابہؓ کو جس قسم کی ضرورت متعہ لاحق ہوئی اس کی شدت اس سے ظاہر ہے۔ کہ ان معدودین نے شدت عزوبت کے مقابلہ پر آختہ ہو جانا ارجح سمجھا گیا آج کوئی مرد میدان ہے کہ غلبہ شہوت کی تکلیف کے مقابل میں آختہ ہو جانے پر طیار نظر آئے البتہ اس سے نجات کی یہ صورت تھی کہ مضطرین کو مراجعت وطن کی اجازت دی جاتی۔ مگر دیکھا یہ جاتا ہے۔ کہ اس وقت اشاعت و حفظ اسلام ایسا ضروری و مہتم بالشان امر تھا کہ ہر طرح کی تکلیف جانی و مالی پر بھی مراجعت وطن کا نہ صحابہ کو خیال آیا نہ حضورؐ علیہ السلام نے اس کا حکم دیا اور خصی بننا اول تو خود ممنوع دوسرے وہ قطع نسل اور تقلیل اہل اسلام کا باعث پھر اس کی اجازت ہوتی تو کیسے ہوتی اور ہر

عورتیں بجز متعہ نکاح پر راضی نہیں۔ ایسی اضطراری حالت بعد میں کب مسلمانوں کو لاحق ہوئی۔ فضل الٰہی سے بعد فتح مکہ مسلمانوں اور مجاہدوں کی کثرت ہو گئی۔ کما قال اللہ سبحانہ "اذا جاء نصر اللہ والفتح ورایت الناس یدخلون فی دین اللہ افواجا" اور انشاء اللہ ہمیشہ رہیگی پھر ایسی اضطراری حالت پر اختیاری و آسانی کی حالت کو قیاس کرنا کب صحیح ہو سکتا ہے۔ اس لئے مثل حالت مردار و خنزیر متعہ کی حلت دائمی نہیں ہو سکتی یہی وجہ ہے کہ جہاں کہیں حضور اقدس ﷺ نے بقدر ضرورت اجازت دی ہے۔ فوراً ہی اس کی صراحۃً ممانعت بھی کر دی ہے تاکہ کسی کو وقتی اجازت پر عموم اباحت کا شبہ نہ ہو جائے۔

شیعہ صاحبان نے احادیث حرمت متعہ کی تغلیط کی چند وجوہ بیان کی ہیں جن کا سلسلہ وار اس جگہ ذکر کرنا نہایت مناسب معلوم ہوتا ہے:۔

**وجہ اول**" :۔ تطبیق روایات میں تکرار نسخ پیش کیا جاتا ہے۔ مگر تکرار نسخ غیر معقول ہے"

**جواب** مگر معترض صاحب کو شاید یہ معلوم نہیں کہ تحویل قبلہ کی کیا حالت رہی ہے۔ مکہ میں کعبہ قبلہ رہا اور ہجرت کے بعد بیت المقدس بنا چند مہینے بعد پھر کعبہ ہمیشہ کے لئے قبلہ ہو گیا۔ یہ تکرار نسخ تحویل قبلہ میں اگر معقول ہے۔ تو متعہ میں بھی معقول ہونا چاہیئے۔

**وجہ ثانی** "تکرار اجازت سے بھی خوبی متعہ ثابت ہے۔ ورنہ مذموم فعل کی کبھی مکرر اجازت نہ ہوتی۔

**جواب**۔ تکرار اجازت تو ہرگز بھی موید تحسین نہیں خواہ متعہ من اصلہ مذموم ہو یا مستحسن۔ بصورت اول جو وجہ پہلی اجازت کی ہے وہی دوسری کی اور بصورت ثانی نہ پہلی ممانعت صحیح اور نہ دوسری اگر تکرار اباحت موجب



استحسان متعہ ہو تو مضطر کے لئے بھی تکرار اباحت خنزیر و میتہ موجب حسن خنزیر و میتہ ہو گا۔

**وجہ ثالث** مقام تنسیخ متعۃ النساء کے متعلق روایات متحد اللفظ نہیں ہیں کہیں خیبر کہیں اوطاس کہیں مکہ اور کہیں حنین مقام تنسیخ بتلایا گیا ہے۔ جس سے لازماً یہ نتیجہ نکلتا ہے۔ کہ تنسیخ کی کہانی غلط ہے (برہان المتعہ)

**جواب اول مجملاً**۔ جیسا کہ اوپر واضح ہو چکا ہے۔ رخصت متعہ بحالت اضطرار عمل میں آئی۔ اور پھر بعد میں اس اباحت اضطراری کو فوراً منسوخ بھی کیا گیا تو اگر یہ حالت اضطراری مختلف مقامات پر پیدا ہوتی رہی ہو تو کونسا تعجب کا مقام ہے اور اس سے کس طرح تغلیط تنسیخ واقع ہوتی ہے۔ اور ایک سانحہ خاص حالات کے ماتحت ایک دفعہ اور ایک مقام پر واقع ہونے کی بجائے پانچ دفعہ اور پانچ مختلف مقامات پر واقع ہو جائے۔ تو اس سے اس سانحہ کے وقوع کی تغلیط کس طرح ثابت ہوتی ہے۔؟

**جواب دوم تفصیلاً**۔ روایت خیبر۔ خیبر کے متعلق حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دو روایات ہیں۔ ایک مسلم کی اور دوسری دارمی کی متقدم الذکر کے الفاظ یہ ہیں :۔ "ان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہی عن نکاح المتعۃ یوم خیبر وعن لحوم الحمر الاھلیۃ اور موخر الذکر ان الفاظ میں مرقوم ہے علیا یقول لابن عباس ان رسول اللہ ﷺ نہی عن المتعۃ النساء وعن لحوم الحمر الاھلیۃ عام خیبر" ان روایات میں کہیں یہ الفاظ نہیں کہ کسی دوسرے مقام میں تحریم متعہ نہیں ہوئی۔ اس لئے یہ دوسرے مقامات کی تحریم کے منافی نہیں ہو سکتی۔ دوسرا جواب اس کا یہ ہے کہ خیبر ظرف حرمت متعہ نہیں ہے۔ بلکہ ظرف حرمت لحوم حمر اہلی ہے۔ اور

اس کی دلیل وہ روایات ہیں جن میں ظرف بعد لحوم حمار واقع ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ جناب امیرؑ کی روایت خالی عن الظرف تھی جیسا کہ خود شیعوں کی معتبر ترین کتب احادیث تہذیب واستبصار کے باب تفضیل النکاح و باب تحلیل المتعۃ علی الترتیب میں لکھا ہے۔ قال حرم رسول اللہ صلعم لحوم الحمر الاھلیۃ ونکاح المتعۃ اور یہ بیانِ ظرف مبنی بر غلط فہمی ہے۔ جس کی تائید حافظ ابن البر اور سہیل کے کلمات ہیں۔ قال الزرقانی فی شرح الموطا عن ابن عبد اللہ البر ان ذکر النھی یوم خیبر غلط و السہیلی انہ شئ لا یعرفہ احد من اھل السیر ولا روایۃ الاثر

**روایت الاوطاس** اوطاس کے متعلق سلمہ بن اکوع کی روایت ہے۔ کہ "رخص لنا رسول اللہ صلعم عام اوطاس فی المتعۃ ثلاثا ثم نھا عنہ" یا غزوہ اوطاس" اور چونکہ غزوہ اوطاس فتح مکہ سے واپسی میں ہوا تھا۔ اس لئے یہ روایت کسی طرح بھی روایت فتح مکہ سے متعارض نہیں ہے۔ بلکہ دونوں صحیح اور متحد المعنی ہیں۔ ایک چیز کے دو پتے بتلائے گئے ہیں اور دونوں درست ہیں۔ خواہ عام اوطاس کہو خواہ عام فتح مکہ کیونکہ دونوں غزوے ایک ہی سفر اور ایک ہی سال میں واقع ہوئے تھے

**روایت حنین**۔ نسائی میں عبد الوہاب کے تین شاگردوں عمرو بن علی و محمد بن بشار و محمد بن المثنیٰ سے جناب امیر کی خیبر والی روایت بزبانی عبد الوہاب درج ہے۔ جس میں اول دو شاگرد تو خیبر کو ظرفِ حرمت متعہ بیان کرتے ہیں۔ مگر تیسرے صاحب حنین کو ظرف بتلاتے ہیں اور یہ کتابت کی غلطی کے باعث ظہور میں آیا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ جمہور رواۃ جناب امیر کی روایت میں خیبر روایت کرتے ہیں اور عبد الوہاب کے استاد یحییٰ



بن سعید اور ان کے اکثر شاگرد بھی خیبر ہی کہتے ہیں۔ پس ابن مثنے کی روایت بروایت شاذہ کا حکم رکھتی ہے۔

**روایت فتح مکہ**۔ حرمت تابیدی کا حکم فتح مکہ میں ہی ہوا تھا جیسا کہ ابوذر رض سبرۃ المغیرہ جہنی رض و سلمہ بن اکوع رض کی متعدد روایات مذکورۂ بالا سے صاف ظاہر ہے۔

باوجود متعدد احادیث حرمت متعہ کی موجودگی کے شیعہ صاحبان جناب فاروق رض ہی کو موجب حرمت متعہ گردانتے ہیں۔ اور اس کے ثبوت میں یہ حدیث آپ کی طرف منسوب کرتے ہیں "کانت متعتان فی عہد رسول اللہ صلعم متعۃ الحج ومتعۃ النساء انا احرمھما" یا "انا انھی عنھما" اولاً یہ روایت بدیں الفاظ کہیں ثابت نہیں۔ پہلے باسانید صحیحہ شیعہ صاحبان اس کو ثابت کریں۔ اس کے بعد الزام دیں۔ البتہ تفسیر کبیر میں یہ روایت "انا انھی عنھما" کے الفاظ سے درج ہے۔ مگر یہ انہوں نے اپنی تحقیق سے درج نہیں کی اور نہ اس کی صحت یا عدم صحت کے وہ ذمہ وار گردانے جاسکتے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے یہ روایت ان وجوہات کے سلسلہ میں من وعن نقل کی ہے۔ جنہیں شیدایان متعہ اپنے علم و دیانت کی بنا پر جواز متعہ میں پیش کرتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے آخر تقریر میں فرما دیا ہے "ھذا جملۃ وجوہ القائلین بجواز المتعۃ" اس کے بعد بھی اگر شیعہ صاحبان یہ کہیں کہ تفسیر کبیر میں چونکہ یہ روایت درج ہے۔ اس لئے اہل سنت اس کی صحت کے ذمہ وار ہیں لغو محض ہوگا۔ اگر اغراض بحث کے لئے ہم یہ تسلیم بھی کرلیں۔ کہ آپ نے لفظ "احرم" یا "انھی" استعمال کئے تھے۔ تو پھر یہ بمعنی مجاز استعمال ہوئے ہیں یعنی میں ان کے حرام

یا ممنوع ہونے کی خبر دیتا ہوں۔ اگر کوئی رافضی اس مجازی معنی سے انکار کرے تو اصول کافی الکلینی ہیں جو یحلون ما یشاءون ویحرمون ما یشاءون الخ " (ترجمہ) ہم حلال کرتے ہیں جسے چاہیں۔ اور حرام کرتے ہیں جسے چاہیں درج ہے۔ وہاں حلال کو حرام ان کے حقیقی معنی میں استعمال کرنے سے وہی قباحت لازم آتی ہے۔ جو حضرت عمرؓ کی نسبت شیعہ صاحبان اپنی کتابوں میں بیدریغ لکھتے ہیں پس جو جواب مجازی معنی کا منکر موخر الذکر فقرہ کا دے گا۔ وہی ہمارا جواب مقدم الذکر کا سمجھ لیا جائے۔ اگر کوئی رافضی اس جگہ پر کہنا چاہیے۔ کہ ائمہ کرامؓ چونکہ نائبین نبیؐ تھے۔ اس لئے انہیں بھی نبی کریمؐ کی طرح حلال وحرام کرنے کا اختیار تھا۔ تو بیشتر اس قسم کا دعوےٰ کرنے کے وہ ذرا اپنی اس معتبر حدیث کو ملاحظہ کرلیوے۔ جو برہان المتعہ مؤلفہ مولانا ابوالقاسم صاحب مجتہد الاول پنجاب کے صفحہ ۳ میں بدین الفاظ درج ہے "حلالِ محمدؐ حلال و حرامِ محمدؐ حرام تا قیامت است۔ سنن ابن ماجہ میں حضرت عمرؓ کے خطبہ علی المنبر میں جو روایت درج ہے۔ کہ ان رسول اللہؐ اذن لنا فی المتعۃ ثلاثا (اسے فتح القدیر) ثم حرمها واللہ لا اعلم احدا یتمتع وھو محصن الا رجمہ بالحجارۃ الا ان یاتینی باربعۃ یشھدون ان رسول اللہؐ احلھا بعد اذ حرمھا " (ترجمہ) تحقیق رسول اللہؐ نے فتح مکہ میں تین روز کی اجازت دی تھی۔ مگر پھر آپ نے اس کے بعد قیامت تک کے لئے حرام کر دیا۔ اب جس کو دعوےٰ جواز کا ہو۔ وہ چار گواہوں سے ثابت کر دکھائے۔ کہ آپ نے بعد اس تحریم کے پھر بھی کبھی اجازت دی۔ مگر ایسے عادلانہ اعلان پر بھی کوئی باقاعدہ ثابت نہ کر سکا۔ سو جب کسی نے اس کو ثابت



نہیں کیا۔ تو اس میں حضرت عمرؓ کا کیا قصور ہے۔ اگر شیعوں کے نزدیک اس کے ثابت نہ کرنے میں بھی حضرت عمرؓ ہی کا قصور ہے۔ تو "فأتوا بسورۃ من مثلہ" (ترجمہ) لاؤ اس کے مثل کوئی آیت اس میں بھی مکذبین اور منکرین کے عدم اقتدار معارضہ میں حق سبحانہ کو ہی ملزم ٹھہرانا پڑیگا۔ اور منکرین الزام سے بری سمجھے جائیں گے اور ان کا سکوت ان کے دعوے کے بطلان کی حقیقت نہ ہوگی۔ جب جناب فاروقؓ نے یہ اعلان برسر منبر علی رؤس الاشہاد فرمایا تھا۔ تو باوجود اس امر کے کہ کل صحابہ جمع تھے۔ مگر کسی نے بھی اس حکم کی تردید نہیں فرمائی تھی۔ جس سے یہ اٹل نتیجہ نکلتا ہے۔ کہ ان سب کو متعہ کے حرام ہونے کا علم تھا۔ ورنہ ایسی خاموشی منجر بکفر ہے [۱]

اس اعتراض کی زد سے بچنے کے لئے شیعوں نے فوراً اصحابہؓ کی خاموشی کو حضرت عمرؓ کی ہیبت کی طرف منسوب کر دیا ہے۔ اس جگہ چونکہ ان کو کوئی اور ذریعہ نجات نظر نہیں آیا۔ اس لئے مجبوراً آپ کی ہیبت ناک شجاعت کی حقیقت کا اعتراف کیا ہے۔ حالانکہ دوسری جگہ جہاں ان کو آپ کی مفروضہ بے علمی کو ثابت کرنا منظور تھا۔ انہوں نے خلیفۂ وقت کو تو محض ایک مٹی کا بت بنا دیا۔ اور ایک حقیر عورت میں بذریعہ بمپ اس قدر جرأت وہمت بھر دی ہے کہ وہ سر مجلس آپ کو عین خطبہ کے دوران میں روک کر یہ الفاظ کہتی ہے " وآتیتم احداھن قنطارا فلا تأخذوا منہ شیئا " اگر یہ بات درست ہے۔ تو کیا کل اصحابۂ رسول میں اس عورت کے برابر بھی غیرت ایمانی نہ تھی کہ چپ چاپ

[۱] سیوطی نے اولیات عمرؓ میں تحریم متعہ بلفظ مطلق لکھا ہے نہ متعۃ النساء۔ اس لئے یہ بحوث عنہ سے غیر متعلق ہے یقیناً اس سے مراد تمتع الحج ہے یعنی فسخ الحج الی العمرۃ جسے جمہور اصحابہ نے جائز نہیں سمجھا۔ اور حضرت عمرؓ سختی کے ساتھ منع فرماتے تھے۔ اس تابیدی ممانعت کی سند یہ ہے یارسول اللہؐ فسخ الحج لنا خاصۃ ام للناس عامۃ قال بل لنا " رواہ النسائی۔

بیٹھے خطبہ سنتے رہے اور پھر نہ صرف اس کو محض سننے پر ہی اکتفا کیا۔ بلکہ اپنی زندگی بھر بھی کسی ایک شخص کو اس کے خلاف عمل پیرا ہونے کا خیال تک نہ آیا۔ کیا حضرت عمر رضؓ کی وہ سابقہ ہیبت اس موقعہ پر کسی نے عاریتاً مانگ لی تھی جس نے ایک دفعہ تو کل مردوں کے منہ پر مہر سکوت لگا دی۔ اور دوسری دفعہ ایک عورت کی زبان کو بھی لگام نہ دے سکی؟ رافضیوں کا قلم پیسہ کمپنی کے جادوگر کی جادو کی چھڑی ہے۔ جس کی مدد سے ایک منٹ میں ایک شخص کو شیر نیستاں بنا دیتے ہیں اور دوسرے ہی میں اسی کو شیرِ قالین میں متبدل کر دیتے ہیں۔

چلو اغراض بحث کے لئے ہم یہ بھی مان لیتے ہیں۔ کہ حضرت عمر رضؓ نے ہی متعہ کو حرام کیا ہے۔ اس جگہ قدرتاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ آپ نے یہ کیا تو کیوں؟ اس کا جواب شیعوں کی کتابوں میں یہی لکھا ہے کہ آپ معاذ اللہ چونکہ نفس پرست اور طالب دنیا تھے۔ اس لئے مخالفت دین کی وجہ سے آپ نے یہ فعل کیا ہے۔ ناظرین ذرا غور فرمائیں اگر آپ نفس پرست اور طالب دنیا ہوتے۔ تو مخالفت دین کی وجہ سے اس کام کو ترک کرتے جس سے نفس کو تکلیف اٹھانی پڑتی ہے۔ کہ اس صورت میں دین کی مخالفت بھی ہو جاتی۔ اور طالب لذت نفس کی موافقت بھی بآسانی میسر آتی نہ یہ برعکس امر کہ جو اشیا مخالف نفس متصور ہوں ان کو تو مخالفت دین کی وجہ سے اختیار کیا جاوے اور جو چیزیں موافق نفس سرکش ہوں۔ ان کو اسی دین کی مخالفت کی بنا پر چھوڑا جائے اگر نفس پروری کی بنا پر مخالفت دین کرنی تھی تو پنجگانہ پابندی اوقات سے رہائی حاصل کرنے کے لئے بلا عذر شرعی جمع الصلوٰۃ کا حکم دیا ہوتا۔ یا مفروضہ آلام سے بچنے کے لئے سچ کو جھوٹ پر نثار کرنے کی ہدایت کی ہوتی۔ اگر حضرت عمر رضؓ کا یہ فعل نفس پرورانہ مخالفت دین کی وجہ سے ہے۔ تو دنیا کی تاریخ میں ایک مثال تو ایسی نفس پرستارانہ مخالفت دین" کی اور بھی بتلاؤ جس نے اپنے لئے عیش اندوزیوں



کی کثرت کو حرام اور زحمت کشیوں کی فراوانی کو مباح قرار دیا ہو اگر اس قسم کی نفس پرور مخالفت دین" عنقا ہے اور یقیناً ہے۔ اگر اس قسم کی "دنیا طلب مخالفت دین" کی مثال تاریخ عالم میں معدوم ہے اور یقیناً ہے۔ تو تمہارا دعوٰی غلط اور تمہارا الزام افترا و بہتان عظیم ہے۔

# واقعہ عبرت

حضرت غوث علی شاہ صاحبؒ قلندری قادری متعہ کے متعلق ایک واقعہ عبرت بیان فرماتے ہیں۔ جو تذکرہ غوثیہ کے صفحہ ۱۱۳ سے نقل کیا جاتا ہے۔ امید ہے اس سے دلدادگان متعہ عبرت حاصل کر کے قولاً و فعلاً تائب ہو جائیں گے۔

لکھنؤ میں ایک امیرزادہ شیعہ ہمارے پاس آیا کرتا تھا۔ اتفاق سے اس کی تاریخ نکاح قرار پائی برات کے وقت خود آیا اور با صرار تمام ایک ہاتھی پر سوار کر کے ہمکو بھی لیگیا اور شب وقت ہمکو علیحدہ مکان میں اتارا کوئی آدھی رات گزری ہوگی کہ نوشہ کا باپ بزم عقد میں شریک ہونے کیلئے ہمکو لیگیا۔ صیغہ شروع ہونے کو تھا کہ ایک دایہ سر محفل آن کر کہنے لگی کہ اس نیک بخت یا رسا لڑکی کو پانچ مہینہ کا حمل بھی ہے مگر حرام کا نہیں بلکہ متعہ شرعی کا ہے۔ یہ بات سنکر دولہا جو اور بیاکا نہ کہہ اٹھا کہ میں نکاح نہیں کرتا۔ ہر چند لوگوں نے سمجھایا ایک نہ مانی۔ اسکے باپ نے ہم سے کہا کہ صاحب یہ آپ کا معتقد بہت ہے۔ کچھ آپ ہی اس کو سمجھائیے۔ ہمارا تو کہنا مانتا نہیں ناچار ہم نے پاس جا کر کہا کہ صاحبزادہ وجہ انکار کیا ہے۔ بولا کہ حضرت یہ بچپن کی چاٹ لگی ہوئی آئندہ کب چھوٹے گی ہم نے کہا کہ میاں جب تمہارے مذہب میں یہ امر جائز و درست ہے تو برا کیوں سمجھتے ہو کہا کہ صاحب ایسے مذہب کو بھی سلام ہے۔ اسکے باپ نے کہا ہیں کیا تو سنی ہو گیا۔ بولا کہ ہاں پہلے تو نہ تھا مگر اب سنی ہو گیا۔ یہ کہکر اٹھ کھڑا ہوا محفل درہم برہم ہو گئی

ہم بھی اپنے مکان کو چلے آئے۔ صبح کو وہ امیر زادہ آیا کہ حضرت مجھ کو مرید کر لیجئے۔ ہم نے کہا۔ کہ بھائی ہم ہیں قادری اور تم کو ان سے عداوت ہے پھر بات کیونکر بنے گی۔ ع

اس کی رسوائی میں ہے جس سے تجھے بیر ہے +

جواب دیا حضرت گذشتہ سے توبہ اور آئندہ کو ان کا غلام ہوں۔ جب اس نے بہت اصرار کیا۔ تو مجبوراً ہم نے بیعت کر لیا۔ زمانہ غدر تک تو اس کے خط آتے رہے۔ پھر کچھ حال معلوم نہ ہوا۔ خدا جانے زندہ بھی ہے یا نہیں فقط

# ایک متعہ کرنے والی کی حیرت

ایک ہندو لاہوری بیرسٹر کے دفتر میں ایک متعہ کو جائز سمجھنے والی اور اس کی عملاً پابند عفیفہ پاکدامن شیعہ عورت اپنی لڑکی کے ایک متعہ ہی کی قسم کے مقدمہ کے سلسلہ میں قانونی مدد حاصل کرنے کے لئے آئی ہوئی تھی۔ اس نے بیان کیا۔ کہ ہم میں متعہ جائز ہے۔ چنانچہ فلاں نواب نے فلاں عورت سے متعہ کیا ہوا ہے۔ اس سے پوچھا گیا۔ کہ کیا اس کے اتنے ثواب کی بھی قائل ہو۔ کہ اگر ایک دفعہ متعہ کیا جائے۔ تو امام حسین رض کا درجہ مل جاتا ہے۔ یہ سنکر وہ چونکی۔ کہ امام حسین کا درجہ! شہید کربلا کا درجہ!!۔ مظلوم نینوا کا درجہ کسی کو نہیں مل سکتا۔ کبھی نہیں مل سکتا

مرد عورت کے عارضی تعلق سے! گھڑی گھنٹے کے تعلق سے!! امام حسین کا درجہ مل جائے!!!۔ غلط ہے۔ جھوٹ ہے۔ سنیوں کی اڑائی ہوئی بات ہے۔ بہتان ہے۔ افترا ہے۔ شیعے اس کے قائل نہیں ہو سکتے۔

عمر رض کا درجہ ملتا ہوگا۔ وہ عمر جس کا ہم بت بناتے ہیں۔ اور اس کے ساتھ یہ کرتے ہیں وہ کرتے ہیں۔ اُسے بتایا گیا۔ کہ بی صاحبہ یہ شیعوں ہی کا عقیدہ ہے۔ بولی ایسی فساد کی بات نہ کرو۔ شیعوں کے کان تک جب یہ بات پہنچے گی۔ کہ ان کے امام کی ایسی عزت گھٹائی جاتی ہے۔ کہ ایک متعہ کرنے والے کو ان کا ہم مرتبہ بنایا جاتا ہے۔ تو وہ آپے سے باہر ہو جائیں گے۔ اور بڑا فساد برپا ہوگا۔

اس عفیفہ شیعہ عورت کو بتایا گیا۔ کہ اس ثواب کے قائل بڑے بڑے شیعی علماء و مجتہدین ہیں۔ تو بھی اُسے یقین نہ آیا۔ اور بولی کہ سنیوں نے ایسی توہین کی بات لکھ کر شیعوں کی طرف منسوب کر دی۔ ہوگی۔ پھر غصہ سے بولی کہ اگر تم سچے ہو۔ تو لکھ دو کہ شیعے واقعی متعہ کو ایسا پُر ثواب فعل یقین کرتے ہیں۔ میں ابھی نواب صاحب کے ہاں جا کر پوچھتی ہوں کہ یہ کیا بکواس ہے۔

چنانچہ اسے کتاب برہان المتعہ مصنفہ فخر المفسرین۔ لسان المتکلمین۔ عمدۃ الفقہاء و المحدثین۔ قدوۃ المحصلین۔ محی الملت و الشریعۃ۔ صاحب الملکۃ الملکیہ۔ مولانا الحاج السید ابو القاسم مدظلہ" کے حوالہ سے لکھ دیا گیا۔ کہ اس کے ص۵۲ میں لکھا ہے کہ جو شخص ایک بار متعہ کرے۔ وہ ہمدرجہ حسین رض ہے۔ دو بار کرے۔ تو امام حسن رض کا درجہ پائے۔ تین بار کرے۔ تو حضرت علی رض کا۔ اور چار بار کرے تو حضرت رسول خدا کا۔

بی صاحبہ تحریر لے کر نواب صاحب کے ہاں پہنچیں۔ وہاں سے حکم ہوا کہ کتاب موصوف کے مولف صاحب کے فرزند رشید شمس العلماء علامہ حائری صاحب کے پاس وسن پورہ جاؤ۔ چنانچہ وہ ٹانگہ دوڑاتی وہاں پہنچیں۔ حضرت مسجد میں رونق افروز تھے۔ اس نے پرچہ سامنے ڈال دیا۔ اور عرض کیا۔ حضرت اس کا جواب ابھی لکھ دیں۔ کہ یہ بات غلط ہے۔ امام حسین رض کا درجہ متعہ جیسے فعل سے نہیں مل سکتا۔ بولے

اس کا جواب فوراً نہیں دیا جا سکتا۔ تین روز تک لکھ دینگے۔ بلکہ چھاپ کر بیرسٹر صاحب کی بیٹھک پر پہنچا دیں گے۔ یہ جواب پاکر اور اپنا سا منہ لے کر آپ واپس آگئیں۔ اور نہایت ندامت سے بولیں کہ ہم ہوئیں ایسی ویسی عورتیں ہمیں مسئلے کی کیا خبر۔ حائری صاحب جواب دینگے۔ بیرسٹر صاحب نے فرمایا۔ علامہ صاحب کچھ جواب نہیں دے سکتے۔ ہم نے اصل کتاب پڑھ لی ہے۔ واقعی وہ اس ثواب کے مسئلہ کا رد نہیں کر سکتے۔ چنانچہ اس بات کو دو برس ہو گئے۔ ان کی طرف سے کوئی جواب نہیں آیا اور نہ آسکتا ہے۔

**ناظرین** آپ نے دیکھ لیا۔ کہ ایک شیعہ عورت جس نے جائز سمجھ کر کئی بار متعہ کیا۔ وہ بھی اس کے ثواب کی قائل نہیں ہوئی۔ بلکہ اس کے ضمیر نے بھی گواہی دی۔ کہ یہ کام ثواب کا نہیں۔ اس کے مرتکب کو امام حسین کا ہمدرجہ بنانا بہت بری بات ہے۔ اگر یہ کار ثواب ہوتا۔ تو ان کے ائمہ کرام نے بھی کئی بار متعہ کیا ہوتا۔ چنانچہ ہمیں شیعہ حضرات نہیں بتا سکتے اور نہ بتا سکتے ہیں۔ کہ ان کے بارہ اماموں میں سے کس کس نے متعہ کیا۔ اور ان سے کون کون امام پیدا ہوئے۔

کتنے افسوس کی بات ہے کہ متعہ جیسے حرام فعل کے متعلق کہا جائے۔ کہ جو اس کا مرتکب نہ ہو۔ اس کا ایمان کامل نہیں (ص۲۵ برہان المتعہ)۔ جو عورت متعہ کرلے۔ وہ بخشی بخشائی ہے۔ متعہ رات کی نماز پر مقدم ہے۔ ص۴۷۔ ضرورت نہ ہو۔ پھر بھی متعہ کرنا چاہئے۔ متعہ مسکرات (شراب وغیرہ) کا عوض ہے۔ ص۴۸۔ خدا متعہ کرنے والوں پر درود بھیجتا ہے۔ ص۴۹۔ متعی عورت سے بات کرنے اس کی طرف ہاتھ بڑھانے سے نیکیاں ملتی ہیں۔ اور صحبت سے تمام گناہ بخشے جاتے ہیں۔ فارغ ہو کر غسل کرنے سے تمام بدن کے بالوں جتنی نیکیاں ملتی ہیں ص۵۰



اور غسل کے ہر قطرہ سے ستر فرشتے پیدا ہوتے ہیں۔ جو کرنے کرانے والوں کے حق میں استغفار اور متعہ نہ کرنے والوں کے لئے تا قیامت لعنت کرتے رہتے ہیں ص۵۱۔ جو شخص ایک بار متعہ کرے اس کا سوم حصہ جسم دوزخ سے آزاد ہو جاتا ہے اور وہ خود خدائے جبار کے غضب سے امن حاصل کر لیتا ہے۔ دوسری دفعہ کرنے سے اس کا دو تہائی حصہ آگ سے رہائی پا لیتا ہے اور وہ ابرار میں شمار ہو جاتا ہے۔ تیسری بار کرنے سے اس کا تمام وجود عذاب نار سے محفوظ۔ اور اس کا حق ہو جاتا ہے۔ کہ وہ رسول خدا کا جنت میں مزاحم ہو ص۵۲،۵۱ استغفر اللہ ربی من ہذا الخرافات۔

## آریاؤں کے چیلنج کا شیعی مجتہد جواب دیں

آریاؤں نے مدت سے نیوگ اور متعہ پر ایک کتاب چھاپ رکھی ہے جس میں نیوگ کو متعہ سے افضل قرار دیا ہے۔ دائرۃ الاصلاح کئی بار شیعہ حضرات کی توجہ آریاؤں کے دعوے کا رد کرنے کی طرف مبذول کر چکا ہے۔ مگر صدائے بر نخاست۔ جس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ ان کے مجتہدین کے پاس کوئی جواب نہیں۔ ہم آریا صاحبان کے جواب میں بتا دینا چاہتے ہیں کہ اہل سنت متعہ کو ایسا ہی برا سمجھتے ہیں۔ جیسا نیوگ کو کیونکہ نہ کوئی آریہ یہ تسلیم کرنے کو تیار ہے کہ وہ نیوگ کا نتیجہ ہے۔ اور نہ کوئی شیعہ یہ اعلان کر سکتا ہے۔ کہ وہ متعہ جیسے پُر ثواب فعل کا ثمر ہے۔

تمام شد

# شیعہ مذہب کیوں ناقابل قبول ہے؟

## اس کے چار عجیب و غریب مسئلے

ناظرین! آپ کو معلوم ہوگا۔ کہ جب کوئی شیعی عالم متانت اور شائستگی سے گفتگو کرنے پر آمادہ ہو۔ تو وہ اپنے مذہب کو قابل قبول ثابت نہیں کر سکتا۔ اسی لئے ان کے امام فرما گئے ہیں۔ کہ جو شخص اس دین کو چھپائے گا۔ اللہ اس کو عزت دے گا۔ اور جو اسے ظاہر کرے گا۔ خدا اسے ذلیل کرے گا۔ (اصول کافی ص۴۸۵) یہ اصول صرف اس لئے وضع کیا گیا ہے۔ کہ اس مذہب کے عقاید عجیب و غریب ہیں۔ اور معقول انسان انہیں تسلیم کرنے کے لئے کبھی آمادہ نہیں ہو سکتا۔

(۱) شیعہ مذہب کی مخفی کَل کو چلانے والا چلتا پرزہ مسئلہ تقیہ ہے۔ ان کے عقاید کے مطابق یہ دین کا ۹/۱۰ ہے اور باقی دین ۱/۱۰۔ جو تقیہ نہ کرے اس کے لئے فتویٰ ہے۔ کہ وہ بے دین ہے۔ بے ایمان ہے۔ (لا دین لمن لا تقیۃ لہٗ۔ لا ایمان لمن لا تقیۃ لہٗ) (کافی)

تقیہ کیا چیز ہے؟ کافی میں مثالیں دے کر اس کو حل کیا گیا ہے۔ جامع مانع تعریف اسکی یہ ہو سکتی ہے۔ کہ جہاں ذرا سا بھی جان و مال کا خطرہ ہو۔ وہاں تقیہ لازم ہو جاتا ہے۔ تقیہ کر کے غلط مسئلہ پر صاد کر دینا جیسا کہ شیعہ مذہب کے امام جعفرؒ نے امام اعظمؒ سے کیا۔ (کتاب الروضۃ ص۱۳۷) دشمنوں کے ساتھ تولا کا حکم دے دینا (ص۲۷) اپنے مذہبی جائز فعل کو حرام قرار دے دینا۔ جیسا کہ امام جعفرؒ اور امام علی رضاؒ نے اپنی عورت سے خلاف وضع فطری فعل کرنے کو حرام قرار دیا۔ (کتاب استبصار ص۱۳۱) حرام گوشت کو حلال قرار دے دینا (فروع کافی کتاب الصید ص۸) حضرت علیؓ کو بھی بوقت خطرہ تبرا کر لینا۔ (اصول کافی ص۴۸۴)



غیر حقدار کی بیعت کر لینا (جلاء العیون ص۱۷۵ وصولت حیدریہ ص۸۶) دین میں بدعتیں اور رخنے پڑنے پر بھی ٹس سے مس نہ ہونا (اصول کافی کتاب الحجہ) شوہروں سے عورتیں چھینی جائیں۔ معافیاں ضبط ہو جائیں۔ مگر کچھ مدافعت نہ کرنا (کتاب الروضہ ص۲۹) حق چھن جائے ہتک حرمت ہو جائے یعنی بیٹی سے کوئی بجبر نکاح کر لے تو صبر کر کے بیٹھے رہنا (اصول کافی ص۲۸۱)

(۲) شیعہ مذہب کا دوسرا دلچسپ مسئلہ متعہ ہے۔ جس کے متعلق اس کتاب میں مفصل بحث ہو چکی ہے۔

(۳) تیسرا دلچسپ اور مخفی مسئلہ شیعوں کا طینت ہے۔ وافی سے ترجمہ شیعی مقبول بابت پارہ نہم کے ص۱۷۶ میں اس مسئلہ کی توضیح کی گئی ہے۔ مفہوم اس کا یہ ہے کہ امام باقرؒ سے سوال کیا گیا ہے۔ کہ شیعوں میں عام طور پر جو فسق و فجور کا ارتکاب اور ارکان اسلام سے نفرت پائی جاتی ہے۔ اس کا کیا سبب ہے۔ امام صاحب نے فرمایا۔ کہ یہ اس مٹی کا اثر ہے۔ جو ابتدائے آفرینش میں شیعوں کی مٹی کے ساتھ مل گئی۔ اس لئے جو شیعہ بدی کرتے ہیں۔ وہ سنیوں کی گندی مٹی کی وجہ سے ہے۔ اور جو سنی نیکیاں کرتے ہیں وہ شیعوں کی پاک مٹی کا اثر ہے۔ اللہ عادل ہے۔ وہ قیامت کے دن شیعوں کی بدیاں سنیوں کو دے دیگا۔ اور سنیوں کی نیکیاں شیعوں کو دے کر انہیں جنت میں اور انہیں دوزخ میں ڈال دیگا۔ یہی مضمون شیعوں کی کتاب تحفۃ العارفین مؤلفہ سید امداد حسین صاحب میں ہے۔ ملاحظہ ہو صفحہ ۲۷-۶۷-۲۹۴ اور نیز حیات القلوب وغیرہ میں مسئلہ طینت کے وضع کرنے سے بھی یہ مقصد ہے۔ کہ لوگ متعہ سے خوب عیش کریں۔ اور عواقب سے بے خوف ہو جائیں۔ کیونکہ ان کو تو کوئی باز پرس ہونی ہی نہیں۔ "کریگا داڑھی والا اور پکڑا جائے گا مونچھوں والا"۔

(۴) چوتھا پر لطف مسئلہ شیعوں کا رجعت ہے۔ اس مسئلہ کے گھڑنے کی بانیان مذہب

کو اس لئے ضرورت لاحق ہوئی۔ کہ شیعوں کو دنیا میں کبھی وجاہت اور اکثریت حاصل نہیں ہوئی۔ ان کے امام بھی بقول ان کے ہمیشہ تقیہ میں رہے۔ اور دوسروں کے ظلم کا تختہ مشق بن کر یا مقتول ہوتے یا مسموم۔ حالانکہ وعدہ خداوندی ہے۔ کہ وہ ایمانداروں کو خلافت و عزت و شوکت عطا کرے گا شیعوں کے مذہب پر حرف آنے کے لئے انہوں نے بطور طفل تسلی مسئلہ رجعت وضع کیا۔ کہ پہلی دفعہ اگر امام اور شیعہ دنیا میں دوسروں کے محتاج رہے۔ تو کیا ہوا قیامت سے پہلے پھر لوٹ کر آئیں گے۔ اپنے مردہ شیعوں کو زندہ کرینگے۔ اور دشمنوں کے گڑھے مردے بھی اکھاڑینگے۔ اور ان کو طرح طرح کے عذابوں سے مارینگے۔ ان کے آثار متبرکہ کو منہدم۔ روضۂ نبوی کی دیوار گرائیں گے اور مقربان آنحضرت سے بدسلوکی کرینگے۔ کعبہ کو گرا کر پھر بنائیں گے۔ الغرض دنیا میں کسی غیر شیعہ کو نہیں چھوڑینگے۔ پھر وہ ہونگے اور ان کے شیعہ صدیوں عیش و آرام سے حکومت کرینگے۔ مگر سوال یہ ہے۔ کہ جو لوگ پہلی دفعہ دشمنوں کے مقابل کچھ نہ کر سکے وہ دوسری بار کیا کرینگے۔

خوب معلوم ہے رجعت کی حقیقت لیکن
دل کے خوش کرنے کو شیعہ یہ خیال اچھا ہے

حقیقت یہ ہے۔ کہ نہ کسی غائب شدہ امام کو آنا ہے۔ نہ قیامت سے پہلے کسی کو جی کر اٹھنا ہے۔ نہ شیعوں کو دنیا کی حکومت ملنا ہے۔ یہ تمام افسانے یار لوگوں کی ایجاد ہیں۔ اور مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے کے لئے تراشے گئے ہیں۔ اللہ ان کے شر سے مسلمانوں کو محفوظ رکھے آمین۔

مسئلے تو اور بھی ہیں۔ مگر فی الحال ہم انہیں پر اکتفا کرتے ہیں۔

تمام شد